

میرا حاصلِ محشر

”ہاں، واقعی ناک چھٹی ہے۔ تم اٹالوی لگتی ہو بلکہ چائیز زیادہ لگتی ہو۔“ وہ سارہ بھی جو صرف اپنی بات کی تائید چاہتی تھی۔
 ”چائیز تو چھوٹے قد کے ہوتے ہیں، یا میرا قد تو دیکھو۔“
 ”ہاں، تمہارا قد تو اٹھارہ فٹ ہے، جب ہی تو میں تمہیں سر اٹھا کر دیکھتی ہوں۔“
 ”ابھی بتاتی ہوں تمہیں، بد تمیز! میں بانس لگتی ہوں کیا۔“ سارہ اٹھ کر باہر بھاگی تو وہ اس کے پیچھے ہٹا۔
 وہ آگے بھاگتی ہوئی یک لخت کسی سے ٹکرائی تو

”اما تم! مجھے تمہارے کالج والوں کی آنکھوں پر شک ہے جس نے ذوقینہ کو اپنی اسٹوری کے لیے شہزادی کے رول میں سلیکٹ کیا ہے۔ اسے تم اور تمہارا یہ یونانی حسن نظر نہیں آیا تھا؟“ سارہ اسے محویت سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ رولی بناتے ہوئے اس کا گلابی چہرہ مزید گلابی ہو کر اس کے حسن کو جیسے دو آتشہ کر رہا تھا۔
 ”میں یونانی نہیں اٹالوی حسن کی مالک ہوں۔“ رولی کا پاٹ بند کر کے اس نے فل کے نیچے ہاتھ دھوئے ہوئے قدرے بے نیازی سے جواب دیا تھا۔



امام کے قدم بھی رک گئے۔
 ”کیا کر رہے ہو تم لوگ۔“ اذان کے کمرے سے نکلتی رمو نے انہیں گھورا۔

”آپ کیا کر رہی ہیں۔ ہم نے پوچھا۔“
 ”میں اذان کو چائے دینے آئی تھی، تم لوگوں کو خیال ہے۔ کتنا تھکے ہوئے ہوتے ہیں وہ اور تم لوگ بچوں کی طرح شور مچا رہی ہو۔“ اس کا تپتا ہوا لہجہ سارہ کو آگ لگا گیا۔

”جتنا خیال ہمارے بھائی کا کرتی ہیں۔ اتنا اپنے والدین کا بھی کر لیں تو دین و دنیا سنور جائے گی۔“ رمو کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا تھا۔ امام نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور پلٹتا چاہا تھا۔

”آؤ، بھائی کے کمرے میں چلیں۔“ سارہ اس کا ہاتھ پکڑ کر منتی اذان کے کمرے میں لے گئی۔ وہ تو بھی کسی کام سے بھی اذان کے کمرے کی طرف مشکل سے آئی تھی اور اب ہٹا کسی وجہ کے یوں منہ اٹھا کے اندر آ جانے پر وہ حیرت مگڑ بڑا گئی۔

”خیریت۔“ چائے پیتے اذان نے ایک کی اڑی رنگت اور دوسری کا غصے سے تھمتاتا چہرہ بنور ملاحظہ کیا تھا۔

”گاڑی چاہیے آپ کی۔ آئیں کریم کھانے جاتا ہے۔“ سارہ سے فوری طور پر کچھ بن نہ پڑا۔
 ”تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟“ وہ چونکا۔

”مذاق کر رہی ہے یہ۔“ امام نے جلدی سے کہا کیونکہ ان کی دسترس میں گاڑی کو آئے صرف تین ماہ ہی ہوئے تھے، وہ ایک دم بخود کا رہی۔

”ہاں، میں تو مذاق کر رہی تھی۔ میں صرف آپ کو دیکھنے آئی تھی۔ اصل میں آج بخیر ہو گئی۔ ایک شخص کو چائے میں زہر دے کر مار دیا گیا۔“ چائے پیتے اذان کو پھندا لگا تھا اور امام کی آنکھیں بھی اٹل گر باہر آنے کو تیار تھیں۔

”اوہ سارہ! چلو۔“ امام نے اسے مھینٹ کر کمرے سے باہر نکالا۔

”امام! دیکھنا تم شادی کے بعد رمو آئی، ہمیں بھائی سے ملنے بھی نہیں دیں گی۔ بلکہ آئی ایم کارڈز کر رہی تھیں والے دن ہی الگ گھر کا مطالبہ کریں گی اور ممکن ہے کہ بھائی پہلے ہی الگ گھر لے لیں اور بعد میں شادی ہو۔ میں ماما سے کہتی ہوں کہ رمو صاحبہ کے تورا جیسے نہیں ہیں۔ بیٹے کو لے آئیں گی آپ کے، اگر بیٹا چاہیے تو ان صاحبہ کو بہو نہیں بنائے گا۔“ سارہ کمرے میں آ کر اپنی کھون کو کم کرنے کے لیے کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔

”بری بات ہے سارہ! وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔“ امام راتنگ ٹیل چیر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”کوئی نہیں۔ ہمارے بھائی کا ٹیسٹ اتنا خراب نہیں ہے۔“ وہ تنک کر بولی۔

”پھر اپنا ہر کام ان سے کیوں کرواتے ہیں؟“ اس نے چھیڑا۔

”جی نہیں، وہی آگے پیچھے دوڑتی ہیں۔“ سارہ کوئی الزام بھائی پر نہ آنے دے رہی تھی۔

”اوکے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اپنا اسائنمنٹ مکمل کر لوں۔ کل سب منٹ کروانا ہے۔“ امام نے بات پلٹنے کی خاطر کہا تھا۔

”ارے ہاں! میرا بھی فوریٹ ڈراما شروع ہونے والا ہے، اوکے تم پڑھو۔ کھانے تک باہر آ جانا۔“

”اوکے۔“ امام مسکرا دی تھی۔ سارہ باہر نکل گئی۔

☆☆☆

”امام! عصر کا وقت ہو رہا ہے۔“ سارہ کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی۔ کالج سے آ کر وہ کھانا کھا کے سو گئی تھی، پھر اٹھ کر اس نے وضو کیا۔ نماز پڑھ کے وہ باہر آ گئی۔ کچن میں داخل ہوتے ہی اسے ایک شدید جھٹکا لگا کیونکہ وہاں سارہ موجود تھی جو صرف کھانا لینے کے لیے ہی کچن میں آئی تھی۔ آج وہ وہاں کھڑی کچھ

"اریب! مر جاؤ کیسے تم۔" سارہ بھیج پڑی اور وہ بھی درخت سے چھلانگ لگا کر اتر آتا تھا۔
 "اف اتنی بڑی بڑی باتیں کرتی ہیں آپ لوگ۔ اتنی ڈر پوک ہیں۔" وہ ہنستے ہنستے لان کی گھاس پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔
 "منخوس! اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو۔۔۔۔۔"
 سارہ نے ہاتھ میں پکڑے کف گیر سے اسے مارنا شروع کر دیا۔
 "تو کیا؟ مجھے لوگوں سے کہنا پڑتا کہ مرحومہ بڑی اچھی خاتون تھیں۔ مجھ سے تو انہیں بڑی ہی محبت تھی۔" وہ صدے سے پتھر لہجے میں کہنے لگا تو امام بے اختیار ہنس دی۔
 "میری موت کا اربابن لے کر اس دنیا سے جاؤ گے تم۔ دیکھ لیتا۔" وہ سر پختی ہوئی کچن میں گھس کر آ کے بڑھتی چلی گئی۔

خواتین ڈائجسٹ
 کالم سے لے کر ناول
 نیا ناول
 عاتق عروج
 اتل عروج
 قیمت = 450/- روپے
 سوائے آدھ
 مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی - فون نمبر: 32735021

ہمارے تھی۔
 "ماما نے کہا، پڑھ پڑھ کر میری امام کا اتنا سا منہ نکل آیا ہے تو میں نے سوچا کہ ماما کی بیٹی کو کچھ بنا کر کھلایا جائے۔"
 "میں کتنی لگی ہوں کہ مس سارہ جنید میرے لیے کچھ بنا رہی ہیں۔" دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملا کر اس نے خوشی کا اظہار کیا تو سارہ ہنس پڑی۔
 "ویسے کیا بن رہا ہے محترمہ!"
 "فروٹ چاٹ، پکڑے اور چائے۔" فروٹ کے پیالہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے پکڑے کڑا سی سے نکال کر پلیٹ میں ڈالے امام اس باؤل کی طرف بڑھ گئی۔
 "یہ تو خالی ہے سارہ!" اس نے کہا تو سارہ چونک کر بچتی۔
 "کیا مطلب؟" یہ خالی کیسے ہو گیا۔ اسے ابھی تو بنایا تھا میں نے۔" امام نے تیزی سے سلیب کے دوسری طرف دیکھا لیکن وہاں بھی کوئی ذی روح نہ تھا۔ وہ تیزی سے کچن کے دوسرے دروازے کی طرف بڑھی، یہ دروازہ لان میں کھلتا تھا لیکن باہر بھی دور دور تک کوئی نہ تھا۔
 "یہ کس نے کھلایا امام؟" سارہ خوف زدہ ہوئی۔
 "میں نے۔" ایک ڈراؤنی سی آواز پر دونوں اچھلیں۔
 "کون ہو تم، سامنے آؤ۔" سارہ کی کچکی بڑھ گئی۔
 "میں تمہارے سامنے ہی ہوں بے وقوف۔"
 ایک ڈراؤنا سا تہقہ لگاتے ہوئے کہا گیا تھا۔ اس بار تو امام بھی کانپ گئی کیونکہ دور دور تک کوئی نہ تھا۔
 "میں بیر کی کاجن ہوں، میں بیر کی پر عاشق ہوں۔ مجھے پتا ہے تم انسان لڑکیوں کو بیر کیسے کہتے ہو۔ میں تم پر عاشق۔" جن صاحب سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ لہذا ڈائیلاگ بول گئے جس سے صاف پہچانے گئے۔

"ابھی ماما کو بتاتا ہوں۔ کتنے دن بعد گھر آیا ہوں اور یہ میرے سرے کی دعائیں کر رہی ہے۔" وہ بھی کچن میں داخل ہو گیا۔

"تم کب آئے تھے اریب!" امام نے پوچھا۔

"محترمہ! اتنی بے خبری بھی اچھی نہیں ہوتی۔ میں نے یہیں بیٹھ کر چائے خستہ کی اور باہر نکل کر درخت پر چڑھ گیا۔ آپ کو بتا بھی نہیں چلا۔"

"میں تو ابھی آئی تھی۔" اس نے جمل ہوتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی۔

"اگر آپ پہلے بھی آئی ہوتیں تب بھی فرق نہیں پڑتا۔ میرے لیے کھانا نکالے، میں آتا ہوں ماما سے مل کر۔" وہ ماما کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ پچھلے تین دن سے لاہور اپنے دوست کے بھائی کی شادی میں گیا ہوا تھا۔

"ہائے۔" وہ کھانا گرم کر رہی تھی، آواز اتنی قریب سے آئی کہ وہ اچھل پڑی۔

"اوه مظاہر بھائی! آپ۔" وہ بالکل اس کے قریب کھڑے تھے اور اس بار اسے اپنی بے خبری پر شدید غصہ آیا تھا۔

"ماما اندر کمرے میں ہیں۔"

"میں ماما سے مل چکا ہوں۔"

"آپ اندر چلیں، میں چائے لاتی ہوں۔"

ان کے اتنے قریب کھڑے ہونے سے اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"تم مجھ سے کیوں اتنا بھاگتی ہو امام!" انہوں نے اس کے اور اپنے بچ فاصلہ مزید کم کیا تھا۔ اس کا خون خشک ہونے لگا۔

"پلیز مظاہر بھائی! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟"

اسے لگا تھا وہ ان کی اس بے باکی پر ابھی گر پڑے گی۔ ان کی نگاہوں میں اتنی گندگی ہوتی تھی کہ وہ ہمیشہ کانپ جاتی تھی۔

"امام! کھانا گرم ہو گیا؟" اریب اندر آیا تھا۔ اریب پر اسے اتنا پیار بھی نہیں آیا تھا، جتنا اس

پہلے آیا۔

"ہاں، تم آ جاؤ۔ میں نے کھانا لگا دیا ہے۔"

اس نے مظاہر بھائی کے پیچھے ہونے پر تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"کمرے میں لے آئیے ناں۔"

"چلو، پھر کمرے میں چلتے ہیں۔" وہ اریب سے پہلے ہی ٹرے اٹھا کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

سارہ ماما کے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اریب انہیں شادی کا احوال سناتے ہوئے کھانا کھا رہا تھا۔ مظاہر بھائی کمرے میں آ گئے۔

"میں چائے لاتی ہوں۔" وہ فوراً باہر نکل گئی۔

اسے مظاہر بھائی کی نظریں قطعی برداشت نہ تھیں۔ یہ گھر اس کی سب سے محفوظ پناہ گاہ تھا لیکن مظاہر بھائی کی آمد پر جانے کیوں اسے غیر محفوظ لگنے لگتا تھا۔

"یا الہی! مجھے ان کے شر سے بچانا۔" ان کی نگاہیں یاد آئیں تو اسے پھریری آگئی پھر چائے بنا کر اس نے اریب کو آواز دی۔

"میں آیا گھر میں اور میرے نام کی آوازیں بڑنی شروع ہوئیں۔ کچ بتائیے گا، میں نہیں تھا تو آپ جس سے اپنا کام کروا رہی تھیں۔" وہ کھانے کی ٹرے سنک میں رکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کچ، بڑے یاد آئے تم۔ ماما نے تو یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اب کوئی ملازم رکھ لیا جائے اوپر کے کام نمنانے کے لیے۔" اس نے چائے کی ٹرے اس کے ہاتھ میں تھمائی۔ وہ منہ کھولے حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"تو اس نظر سے دیکھتے ہیں آپ لوگ مجھے۔"

وہ جل کر بولا اور وہ اس پڑی۔

"بھئی کام تو پڑے گا، آپ کا مجھ سے پھر بدلہ لوں گا اس بات کا۔" وہ منہ پر ہاتھ پھیرتا پلٹ گیا۔ وہ ہنستی ہوئی اپنا کپ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی پھر کچھ دیر بعد سارہ آ گئی۔

"چلو امام! حنا کے گھر چلتے ہیں۔" کوئی اور وقت ہوتا تو وہ صاف انکار کر دیتی مگر اس وقت مظاہر

بھائی تھے۔ اکیلی کب تک وہ دروازہ بند کر کے بیٹھی رہتی۔ اس لیے اس کے ساتھ جانے میں ہی عافیت کبھی پھر وہ ماما کو بتا کر حنا کے گھر آ گئیں۔

☆☆☆

”اوہو! آج امام کیسے نکل آئیں گھر سے؟“ حنا سے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ وہ بھی مسکرا دی چونکہ وہ سارہ کی بچپن کی دوست تھی، سوان کے پاس بہت سی باتیں تھیں۔ ایک دوسرے کے پورے خاندان سے وہ دونوں واقف تھیں اور جب وہ سب کی باتیں کرتی تھیں تو یہ باتیں امام کے سر سے گزر جاتی تھیں، اسی لیے وہ حنا کے گھر آتی تھی۔

”میری پھوپھو آتی ہوئی ہیں۔“ حنا نے بتایا۔ وہ فی ٹرائل ٹیرس پر لے آئی تھیں حنا کی بات پر امام دل بھر کے بور ہوئی۔ اسے پتا تھا اب فردا فردا نام لے کر خیریت دریافت ہوگی اور جن لوگوں کو آپ جانتے نہ ہوں ان کا ذکر بور کرنے لگتا ہے۔ سو وہ اپنا کپ اٹھا کر ریٹنگ کے ساتھ آ کھڑی ہوئی، یک دم اسے مظاہر بھائی یاد آئے۔ اس کا دل بوجھل ہونے لگا۔

”اف اللہ! اگر وہ حد سے بڑھے تو میں کیا کروں گی۔ سارہ کو بتا دوں ان کے بارے میں مگر وہ سارہ کے پھوپھو کے بیٹے ہیں۔ پتا نہیں سارہ میرا اعتبار کرے گی یا نہیں۔“ وہ سوچوں میں ڈوبی تھی۔ چہرے پر اداسی کے گہرے سائے تھے اور اس کے چہرے کے رنگ کسی کو کیسے مبہوت کر گئے، اسے ہمیشہ کی طرح خبر بھی نہ ہو سکی۔

”امام! سارہ کی آواز پر وہ ہلٹی تو چونک گئی۔ سارہ اور حنا کے ساتھ ایک لڑکا بھی موجود تھا۔

”امام! حنا کی پھوپھو کا بیٹا ہے تیمور اور تیمور یہ میری کزن ہے امام۔“ سارہ نے مسکرا کر کہا۔

”السلام علیکم! تیمور نے کہا۔

”و علیکم السلام۔“ وہ سنجیدگی سے بولی۔

”پتا ہے حنا! جب میں نے انہیں میچے سے دیکھا تو سمجھا کہ تم لوگوں نے نہت پر کوئی بالو کا بوسہ کھڑا کر دیا ہے، جیسے کسی پری کا اسیچو یا کوئی پتھر کی

مورتی۔“ وہ اس پر سے نظر نہ ہٹا رہا تھا۔ سارہ اور حنا ہنس پڑیں۔

”چلو سارہ! کھر چلیں۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔ وہ مظاہر بھائی کی نظروں سے گھبرا کر سیپاں آئی تھی۔ کوئی اسے ایکپ سے دوسری بار دیکھتا تو اسے گھبراہٹ ہوتی تھی اور یہ شخص تو ہی نظر نہ ہٹا رہا تھا۔

”سنو سارہ! یہ کہیں ایجنج تو نہیں ہے ناں۔“ وہ میڑھیاں اتر رہی تھی، جب تیمور کی آواز آئی۔

”نہیں۔“ سارہ ہنس پڑی۔

”بھائی صاحب! خیریت تو ہے ناں؟“ حنا نے چھیڑا تو وہ جیسے ہوئے ٹی میں سر ہلانے لگا۔

”امام! تیمور دو ماہ کے لیے امریکا سے آیا ہے، اس کی دہاں جاب ہے۔“ راسخے میں سارہ نے اسے بتایا تھا۔

☆☆☆

”کیا کر رہی ہو امام!“ رمو کچن میں داخل ہوتے ہی مختلف درازیں کھولنے لگی۔

”کھیر بنا رہی ہوں۔“

”ارہیب نے فرمائش کی ہوگی۔“

”جی۔“

”ارہیب تمہارا بہت عادی ہو گیا ہے۔ جب تم جاؤ گی تو یقیناً اسے ایڈجسٹ ہونے میں مشکل ہوگی۔“ رمو کی بات پر اس نے چونک کر رمو کو دیکھا۔

”ارے بھئی۔ حیرت سے منہ کیا دیکھ رہی ہو، بیٹیوں کو ایک دن اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے اور تم بھی تو اس گھر کی بیٹی ہو۔“ اس کی بات پر اس نے ایک گھبرا سانس لے کر رخ پھیر لیا۔

”یہ کافی کا پیکٹ کہاں ہے۔ برنی میں تو کافی ختم ہو گئی۔“ رمو نے پوچھا تو اس کا جی چاہا کہ وہ نہ بتائے کہ پیکٹ کہاں ہے۔

”سامنے والی دراز میں۔“ اس نے کہا تب ہی سارہ آ گئی۔

”اور امام! ایم بی اے کے بعد تمہارا کیا ارادہ

ہے؟“

”کوئی ارادہ نہیں ہے۔“

”کچھ کر دے گی نہیں۔“ وہ حیران ہوئی۔

”ایم بی اے بھی یہ اپنی مرضی سے کب کر رہی ہے، بھائی نے زبردستی ایڈمیشن کر دیا ہے۔ اب آگے بھی بھائی ہی طے کریں گے کہ امام کیا کرے۔“ سارہ نے فوراً جواب دیا۔ رمضہ بنا کچھ کہے کافی گنگ میں ڈال کر لے گئی۔

”صرف بھائی ہیں اور تو کوئی نہیں ہے اس گھر میں۔“ سارہ کھولتے ہوئے دوبارہ کافی بنانے لگی۔

”اب کس کے لیے بن رہی ہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کھیر پیالے میں ڈالی۔

”اپنے لیے۔۔۔ تم پیو گی؟“ وہ جل گئی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”آج میں پھنس گئی ہوں۔“ سارہ نے کافی کپ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“ وہ پتے بادام کھیر پر چھڑکتے ہوئے چوکی۔

”آج جیناں چھٹی پر ہے اور ماما نے مجھے صفائی کا آرڈر دیا ہے۔“ کام سے اس کی جان جاتی تھی۔

امام نس پڑی، پھر کافی پینے کے بعد سارہ صفائی کرنے لگی۔ وہ بھی اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

”یہاں کیا کر رہی ہو؟“ صفائی کرتے کرتے وہ اذان کے روم کے باہر پہنچی تھی۔ تب ہی رمضہ اذان کے کمرے سے باہر نکلی تو اسے دیکھ کر چوکی۔

”صفائی۔“

”پورے گھر میں پھرا کرو۔ حق ہے تمہیں، مگر اذان کے کمرے کی طرف مت آیا کرو۔“ اس سے صفائی کا کپڑا لے کر وہ اذان کے کمرے میں گھس گئی اور وہ سن رہ گئی۔ ایک بل کے لیے اس کا جی چاہا کہ وہ رمضہ کو اپنے حق کے بارے میں بتائے کہ کس پر اس کا کتنا حق ہے مگر بقول ہلال۔۔۔۔۔

”امام! تم میں صرف ایک ہی خوبی ہے اور وہ یہ کہ تم اپنے عیسے پر قابو پا۔ جی ہو اور میں جو اتنا برا ہوں

تو صرف اس لیے کہ مجھے قصہ بہت آتا ہے اور میں قابو نہیں کرتا۔“ ہلال کی یاد اس کی آنکھوں میں دھند لے آئی تھی۔ ابھی چند ہی پہلے وہ بالکل ٹھیک تھی لیکن اب اس کے دل میں تیس تیس آنکھیں لگی تھیں اور یہ ہلال کی یاد تھی۔

”آپ کو نہیں پتا، میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ میری زندگی کی ہر خوشی آپ ہیں۔ آپ نہیں ہیں تو میں دل سے ہنس تک نہیں پاتی ہوں۔ یقین کریں، مجھے خوش ہونے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔“

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو گر کر اس کے گالوں پر آگئے تھے۔ اسے بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ہلال کی یاد سے بھی اسے تکلیف ہوتی تھی۔

”امام! کسی نے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔“

اس نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے اذان تھا۔ شاید وہ صفائی کی وجہ سے کمرے سے باہر آیا تھا۔ وہ یک دم شرمندہ ہو کے آگے بڑھ گئی جب کہ اذان نے اسے اس کے کمرے میں داخل ہونے تک دیکھا تھا اور اس کے دل پر ایک بوجھ آگرا تھا۔ کیونکہ وہ اس کے آنسوؤں کی وجہ سے تاؤ وقف نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کتنی تکلیف سے گزرتی تھی وہ جب اس کے آنسو بہتے تھے جس کی یاد امام کو رلاتی تھی، اس کی یاد نے بے چین اذان کو بھی کر رکھا تھا۔

☆☆☆

”امام! حنا اپنی ماما اور پھپھو کے ساتھ آئی ہے۔ تم فوراً گھر پہنچو۔“

”آدھا گھنٹہ لگ جائے گا مجھے۔“ وہ ادرا ریب مارکیٹ سے کچھ کتابیں لینے آئے تھے۔

”تم گاڑی واپس موڑ لو، کتابیں لینے بعد میں چلی جانا۔ کچھ ایرجنسی ہے۔“ اس نے کہا تو امام نے گاڑی واپس موڑ لی تھی۔ لاؤنج میں ہی حنا کی ماما، خالہ، پھپھو وغیرہ موجود تھیں، اس نے سب کو سلام کیا تو اس کی پھپھو نے اسے اٹھ کر گلے لگا لیا۔

”ماشاء اللہ بہت پیاری بیٹی ہے آپ کی۔“ انہوں نے ماما سے کہا تھا۔ وہ کچھ نفیوز ہوئی کیونکہ وہ

انہیں آج پہلی بار دیکھ رہی تھی، پھر وہ اٹھ کر کمرے میں آگئی۔

”تم یہاں بیٹھی ہو۔ ان کے لیے چائے وغیرہ کا انتظام نہیں کیا۔“ وہ تو ہمیں بھی تھی کہ سارہ نے اسے کچن میں ہیپ کے لیے بلوایا ہے۔

”اما تم! وہ میرا پروپوزل لے کر آئی ہیں۔“ سارہ نے قدرے شرماتے ہوئے کہا۔

”ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ اس کے پیچھے اندر داخل ہوتا اریب بوکھلا گیا۔

”کیا مطلب ہے؟“ سارہ کی شرم ایک جھٹکے سے غائب ہوئی۔

”وہ جانتی ہیں کہ تم دنیا کی سب سے کامل لڑکی ہو، اس کے باوجود تمہارا پروپوزل لے کر آگئیں۔“ وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

سارہ روہانسی ہو کر اما تم کی شکل دیکھنے لگی اور اما تم تیزی سے کمرے سے نکل کر مسکراتی ہوئی کچن میں چلی آئی۔ اما جین میں تھیں اور اس طرح ان کی اچانک آمد پر خاصی بوکھلائی ہوئی بھی تھیں۔ اس نے انہیں تسلی دے کر اندر بھیجا اور خود کک کے ساتھ مل کر چائے کا اہتمام کرنے لگی۔

”سارہ! چائے لے کر جاؤ۔“

”ہائے اللہ! شرم آ رہی ہے۔“

”زیادہ مت پھیلو۔“ وہ ہنس پڑی پھر سارہ کے ساتھ چائے لے کر وہ جوں ہی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ تا کچھ اس طرح کھکاری کہ سارہ نے اسے گھورا اور اما تم مسکرا دی۔

”بس بھابھی! میں انکار نہیں سنوں گی۔ آپ کو پتا نہیں میں کتنا پریشان تھی تیمور کے لیے۔ وہ کسی ایسی ویسی لڑکی کو نہ پسند کر لے میرا کھوتا تو بیٹا ہے۔“

اما تم ڈالی سے چیزیں پھیل پر لگا رہی تھی۔ تا کی ماما سارہ کو اپنے پاس بٹھا چکی تھیں۔ سو وہ سارہ کو شیرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے چائے سرو کر رہی تھی۔

”مگر اللہ کا کرم ہو گیا اس نے ایسی لڑکی پسند کی

جسے دیکھ کر میرا دل بھی کھل اٹھا۔“ انہیں نے چائے دیتی اما تم سے صرف چائے نہیں بلکہ اس کا ہاتھ بھی پکڑا تھا۔

”ماشاء اللہ! لاکھوں میں ایک سے میری بیٹی۔“

انہیں نے اما تم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اما تم چونک گئی۔

”یقین کریں۔ میرا تو بس نہیں چل رہا ہے۔“

میں ابھی اما تم کو رخصت کر کے ساتھ لے جاؤں۔“

انہیں نے کپ سا بیڑ نکیل پر رکھا تھا اور اما تم کو خود سے لپٹا لیا تھا، وہ سانس بھی نہ لے سکی۔

”مسز امنرا! میں گھر میں سب سے مشورہ کر لوں

پھر جواب دوں گی۔“ اما بے حد خوش تھیں۔ اما تم کے

بیروں میں سکت نہ رہی کہ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی

جاتی، وہ وہیں بیٹھی رہی تھی کہ کچھ دیر بعد وہ لوگ

کھڑی ہو گئیں، اس کا دماغ اتنا ماؤف ہو گیا تھا کہ

اسے کچھ نہ تو سنائی دے رہا تھا اور نہ دکھائی دے رہا تھا

جب ہی تو وہ ان کے ساتھ کھڑی بھی نہ ہو سکی۔ اما

انہیں گیٹ تک رخصت کر کے آگئی تھیں۔

”اما تم! میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں۔

بیٹا! تیمور بہت اچھا لڑکا ہے، اس کی مدد کہہ رہی تھیں

کہ وہ اس کی خواہش پر یہ پروپوزل لائی ہیں۔“

”تیمور کی ماما چاہ رہی تھیں کہ ابھی رخصتی

ہو جائے اور تم ابھی سے مایوں بیٹھ گئی ہو۔ انہیں جتنی

جلدی تھی، تمہیں ان سے زیادہ جلدی ہے۔“ سارہ کی

آواز پر وہ اس کی طرف دیکھنے لگی تو ماما مسکرا کر اپنے

کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

”روٹیاں بنا لو، تمہیں پتا ہے تاں اریب کھانا

نہیں کھائے گا اگر تمہارے ہاتھ کی روٹیاں نہ ہوئیں

تو۔۔۔۔۔“

”تم تو کہہ رہی تھیں، وہ تمہارا پروپوزل لائی

تھیں۔“ اسے یاد آیا۔

”ہاں تو میرا ہی لائی ہیں تا کی مدر۔۔۔۔۔ اور باز

کے لیے۔“ سارہ نے تا کے بھائی کا نام لیا تو وہ ایک

گہرا سانس لے کر رہ گئی پھر وہ کچن میں آگئی۔ روٹی

بنانے کے لیے کیونکہ اریب واقعی کھانا نہیں کھاتا۔

”اذان! آج حنا کی فلی آئی تھی۔ ارباز کا پرپوزل لے کر سارہ کے لیے۔“ کھانے کے بعد وہ سب لاؤنج میں تھے جب ماما نے اذان سے بات کی۔

”واٹ.....؟“ وہ چونکا۔
”ارباز تو دیکھا بھلا ہے۔ تم بتاؤ، کیا جواب دیں۔“

”جیسے آپ کی مرضی ماما!“
”میں تو ہاں کرنے کا سوچ رہی ہوں، سارہ کے لیے بہترین رشتہ ہے۔“

”او کے ماما!“ اس نے سارہ سے کافی کا کپ لیتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

”اور وہ تیمور کا بھی پرپوزل لائی تھیں امام کے لیے۔“ اذان چونک گیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ ابھرا تھا۔

”تیمور بہت اچھا لڑکا ہے، اتنا امیر کبیر..... پھر اچھی نوکری بھی ہے۔ بہت شریف اور سلجھا ہوا ہے۔ بہت خوش قسمت ہوگی وہ لڑکی جو اس کی ہم سفر بنے گی اور تیمور کی مدد بتا رہی تھیں کہ تیمور امام میں انٹرنلڈ ہے۔“ اس نے اس بار نظر اٹھا کر امام کو دیکھا، وہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی، یک دم نظر جھکا گئی۔

”ماما! تیمور بہت اچھا لڑکا ہے، واقعی بہت خوش قسمت ہوگی وہ لڑکی جو اس کی ہم سفر بنے گی مگر آپ یہ سمجھ لیں، وہ خوش قسمت لڑکی امام نہیں ہو سکتی۔“

وہ اٹھ کر چلا گیا اور پیچھے سب کے چہرے فق تھے، سوائے امام کے اس نے اپنے رگ و پے میں ایک سکون اترتے ہوئے محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

”کیوں انکار کر رہے ہیں آپ؟“ ٹھیک دس دن بعد تیمور اس کے سامنے تھا اور ان دس دنوں میں اس کی ماں نے جتنی التجائیں کی تھیں، ماما سوچ رہی تھیں کہ اذان کو بتائے بغیر یہ شادی کر دیں۔

”آئی ایم سوری تیمور! میں مجبور ہوں۔“ وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت وہ اپنے

آفس میں تھا۔
”اور مجبوری کیا ہے آپ کی؟“ وہ لب بھینچے اسے دیکھنے لگا۔

”تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔“
”مجھے اس کے پاسٹ (ماضی) کے بارے میں جانا بھی نہیں ہے۔“ اس نے فوراً اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ اذان نے سر گھما کر اسے دیکھا۔

”مجھے نہیں پتا اذان! کہ محبت کیا ہوتی ہے لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں امام کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا۔ پلیز اذان! انکار مت کریں۔ امام میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہے جسے دیکھ کر میرے دل نے کہا، اسے ہم سفر بنانا ہے۔“ وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا اور اذان اسے دیکھے گیا۔

”اذان پلیز..... انکار مت کریں۔“
”تم بہت اچھے لڑکے ہو تیمور! اور تمہارے ان جذباتوں کی میں قدر کرتا ہوں مگر میں مجبور ہوں۔“ وہ پھر سے چہرہ گھما کر سڑک پر رواں دواں ٹریفک پر نظر جما کر کھڑا ہو گیا۔

”اور مجبوری آپ بتانا نہیں چاہتے؟“ اس نے چڑ کر پوچھا لیکن جواب دینے کے لیے اذان وہی طور پر دہاں نہیں تھا۔

”او کے اذان! میں آپ کی راہ میں اس وقت تک آؤں گا جب تک آپ ہاں کہنے کے لیے مجبور نہیں ہو جاتے۔“

وہ پلٹ کر باہر نکل گیا۔ اذان لب بھینچ کر رہ گیا اور واقعی اس نے کس چندرہ دن میں اذان کو زچ کر دیا۔ وہ اسے صبح و شام تک کہنے ہوئے تھا۔

☆☆☆

”پلیز ماما! آئی اسے بات کریں، وہ تیمور کو سمجھائیں۔“ اذان کہہ رہا تھا۔ ماما سے اپنے بالوں میں تیل لگوانی امام نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔
”اس کی ماما خود مجھ سے اتنی ریکویسٹ کرتی ہیں روز کہ میں ان کے آگے بے بس ہو جاتی ہوں۔“ ان کے جواب پر وہ کچھ جھنجھلا گیا۔

”ماما پلیز، ہمیں حق ہے کہ ہم انکار کریں یا اقرار..... وہ لوگ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟“

”اذان..... بری بات ہے بیٹا! وہ لوگ محبت میں ایسا کر رہے ہیں۔“ ماما نے فوراً اسے ڈیٹا تھا۔ وہ لب بھینچتا باہر نکل گیا تو امام نے بھی لب بھینچ لیے۔ شروع میں تو ماما نے بھی اسے کنوئیں کرنے کی کافی کوشش کی مگر اب وہ چپ تھیں۔

”پتا نہیں بھائی کو کیا ہو گیا ہے، وہ کیوں نہیں مان رہے ہیں۔ تیمور بہت اچھا ہے ماما! وہ امام سے بہت پیار کرتا ہے۔“ سارہ افسردہ تھی۔ تیمور کی دیوانگی اور بھائی کے انکار پر۔

”امام! بھائی کو کیا مجبوری ہے؟ تم جانتی ہو ناں، بھائی کیوں انکار کر رہے ہیں؟“ سارہ نے یک دم پوچھا تو وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھ گئی۔

”بتاؤ ناں امام! تم جانتی ہو ناں۔“ سارہ نے اس کا کندھا ہلایا۔

”پلیز سارہ..... مجھ سے کچھ مت پوچھو۔“ اپنے بالوں کو کھینچتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ہاں یا نہ تو کر سکتی ہو ناں..... بتاؤ جانتی ہو ناں تم کہ بھائی کے انکار کی وجہ کیا ہے۔“

اس کا دل رو پڑا۔ وہ جانتی تھی اذان کے انکار کی وجہ سارہ سے ”ہاں“ کہنے میں بھی اسے کس تکلیف کا سامنا تھا، سارہ نہیں سمجھ سکتی تھی۔

”تیمور تمہیں بہت چاہتا ہے امام!“ سارہ اس کی خاموشی سے چڑھ گئی، وہ باہر نکلی تو سارہ اس کے پیچھے چلی آئی۔

”اور تم دیکھ لیتا، وہ بھائی کو منالے گا۔ تم بہت خوش رہو گی اس کے ساتھ۔“

”خوشی اور غم کون دیکھے گا، میں تو اس روز مرجاؤں گی جس روز اذان نے انکار کرنے میں تامل کیا اور اگر وہ مان گئے تو کیا ہوگا۔“ اس نے سوچا تھا۔

☆☆☆

”سارہ! میں تیمور سے ملنا چاہتی ہوں۔“ وہ ماما اور سارہ بچ کر رہی تھیں جب اس نے کہا تو ماما اور

سارہ چونک گئیں۔

”امام! آپ کیا کرنا چاہتی ہو بیٹا!“ ماما پہلے ہی اذان سے پریشان تھیں۔

”ماما! میں اسے اپنی زبان میں سمجھانا چاہتی ہوں تاکہ اس کی جگہ جگہ نہیں نکرے۔“

☆☆☆

”امام! تیمور حنا کے گھر ہمارا انتظار کر رہا ہے۔“ شام کو اس نے بتایا تھا پھر وہ دونوں ماما سے کہہ کر حنا کے گھر آ گئیں۔ حنا اور تیمور لاؤنج میں بیٹھ گئے تھے۔ سلام دعا کے بعد حنا اور سارہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھیں جبکہ وہ وہیں کین کی کرسیوں پر بیٹھے رہے۔

”اگر آپ مجھے سمجھانے آئی ہیں تو اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔“ ان کے جاتے ہی وہ بولا۔

”میں آپ سے دوستی کرنے آئی ہوں۔“ وہ چونک گیا۔

”میں نے کچھ عرصہ پہلے اپنا سب کچھ کھو دیا۔ میری زندگی کی ہر خوشی برباد ہو گئی تھی کہ میری زندگی کے امکان بھی ختم ہو گئے مگر میں بچ گئی، صرف ایکلی جان کے ساتھ۔ آہستہ آہستہ مجھے بہت کچھ ملا مگر ایک دوست نہ مل سکا اور ابھی کسی چہرے کو دیکھ کر مجھے ایسا گمان تک نہ ہوا کہ وہ میرا دوست ہو سکتا ہے لیکن آپ کو دیکھ کر مجھے لگا کہ آپ میرے ایسے دوست ہو سکتے ہیں جن کے ساتھ میں سب کچھ شیئر کر سکوں۔“ تیمور نے چند لمحوں سے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلادیا۔

”میں ایک لڑکے سے محبت کرتی ہوں۔ پچھلے دس سال سے میں اس کی محبت میں جلتا ہوں اور اس محبت کے لیے میں نے کیا کیا چھوڑا ہے، پھر بتاؤں گی۔“

”امام!“ وہ دم بخود رہ گیا۔

”آپ اتنے اچھے ہیں تیمور! کہ سب آپ کے معترف ہیں۔ اگر آپ کی زبردستی یہاں کر دی گئی تو یقین کریں، میں اسی لمبے مرجاؤں گی۔ میں نے

اپنی اس محبت کے لیے اپنا سب کچھ کھویا ہے۔ اس بار میرے پاس صرف میری جان ہے، اس محبت کے صدقے دارنے کے لیے۔“ وہ کھڑی ہو گئی تھی اور وہ لب بچنے سے دیکھتا رہا۔

”کیا میں اپنے دوست سے امید رکھوں کہ وہ میری زندگی کی حفاظت کرے گا۔ مجھے بے موت مرنے پر مجبور نہیں کرے گا؟“ وہ برآمد نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنے کے، کسی تسلی دینے کے قابل ہی نہ رہا تھا۔

”وہ کہاں ہے امام! جس سے تم اتنی محبت کرتی ہو؟“

”قسمت کے علاوہ میرے ہر طرف ہے۔“ وہ پلٹے بٹا بولی اور وہ سن ہو گیا۔

☆☆☆

”کیا کر رہی ہیں ماما!“ سارہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

”زیور دیکھ رہی تھی۔ امام کہہ رہی ہے، کچھ آؤٹ آف فیشن ہو گئے ہیں۔ انہیں تڑوا کر نئے ایناکل میں بنوا لیے جائیں۔“ امام سیف کے پاس بیٹھی ماما کو زیورات کے ڈبے نکال کر دے رہی تھی۔

”سارہ! یہ بکس منگوائی ہیں میں نے تانچہ چورز سے۔ تم کوئی ڈیزائن پسند کر لو۔“ ماما نے سائڈ ٹیبل پر پڑی ڈیزائن کی کتابیں اس کی طرف بڑھا دیں۔ وہ سر ہلاتے ہوئے انہیں کھول کر دیکھنے لگی۔

”اذان کو بھی دکھا دیتا۔“

”بھائی سے بھی مشورہ لوں۔“ وہ چوکی۔

”رمشہ کے لیے اذان کی پسند کی ہی چیز ہونی چاہیے ناں۔“ ماما کی بات پر اس کا منہ بن گیا۔ ماما سر جھکائے کسی الجھی ہوئی ڈوری کو سلجھا رہی تھیں جبکہ امام اس کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات دیکھ کر مسکرا دی۔

”ماما پلیز..... آپ یہ خیال دل سے نکال دیں کہ وہ صاحبہ اس گھر میں آئیں گی۔ ہم ابھی سے انہیں کھلتے ہیں، کل کو تو وہ ہمارا اس گھر میں آنا بھی

برداشت نہیں کریں گی۔“ اسے جو بھی خوف و خدشہ رمشہ کی طرف سے تھا، آج وہ اس نے ماما سے کہہ دیا۔ ماما نے چونک کر اس کی شکل دیکھی اور پھر امام کو دیکھا جو اسے کھور رہی تھی۔

”آپ اپنا فیصلہ بدل لیں ماما! وہ مجھے بالکل پسند نہیں ہیں۔ آپ دیکھ لیتا۔ وہ ہم سے بھائی کو بہت دور کر دیں گی۔“ وہ رو ہانسی ہو گئی تھی۔

”ادھر آؤ میرے پاس۔“ انہوں نے تمام ڈبے پیچھے کرتے ہوئے اس کی جگہ بنائی تو وہ اٹھ کر ان کے قریب آ گئی۔

”یہ کس طرح کے خیالات کو دل میں جگہ دے رہی ہو۔“ انہوں نے اسے ساتھ لگایا۔

”ماما! یہ خیالات ان ہی کے رویے کی وجہ سے دل میں آئے ہیں۔“ اس نے فوراً جواب دیا۔

”تم کو پتا ہے بھائی کی یہ شادی تمہارے پاپا کا فیصلہ ہے۔ بارہ سال ہو چکے ہیں اس رشتے کو جڑے ہوئے اور تم جانتی ہو کہ تمہارا بھائی اسے پسند کرتا ہے اور بارہ سال سے قائم اس رشتے سے اگر اذان کی جذباتی وابستگی ہے بھی تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔“ اگر اب رمشہ کی شکل مل کر رسنے کی عادت نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس رشتے کو ختم کرنے کا سوچیں، رمشہ کو اذان کا تو خیال ہے ناں۔ ہمارے لیے یہی کافی ہونا چاہیے۔ آج تمہاری شادی ہو جائے تو کل تم اپنی زندگی میں گمن ہو جاؤ گی۔ بھائی کے ساتھ تو رہو گی نہیں اور اس کی ہمسفر اگر اس کے بجائے تمہاری پسند کی ہو تو یقیناً وہ خوش نہیں ہوگا اور پھر کیا تمہیں اچھا لگے گا؟ رمشہ میں جو بھی برائی ہو یا وہ تم کو جس وجہ سے بھی ناپسند ہو، تمہیں اس کو برداشت کرنا ہوگا کیونکہ وہ تمہارے بھائی کو پسند ہے۔“

”امام بھی یہ ہی کہتی ہے ماما۔“ وہ افسردگی سے بولی کیونکہ ماما کی باتیں اپنی جگہ صحیح تھیں لیکن وہ دل کا کیا کرتی جو کہتا تھا یہ جوڑی ”مس فٹ“ ہے۔

”امام تم سے زیادہ سمجھ دار ہے۔“ انہوں نے مسکرا کر اسے کو دیکھا جو سر جھکائے وہی ڈوری

سلجھار ہی تھی جسے کچھ دیر پہلے وہ سلجھار ہی تھی۔
 ”اماں! میرا ایک دوست آیا ہے، پلیز ذرا دو
 کپ چائے بنا دیں۔ ساتھ میں وہ کیک بھی دے
 دیں جو آپ نے رات کو بیک کیا ہے۔“ اسی لمحے
 اریب نے دروازہ کھولا تو وہ تینوں چونک گئیں۔
 ”تمہارے دوستوں کو ٹھکانے کے لیے بیک
 کیا تھا ہم نے۔“

”ارے پوری دنیا کی ست اور دوسروں کا
 کریڈٹ خود لینے والی خاتون! میں آپ سے مخاطب
 نہیں ہوں۔“
 ”اماں! آپ دیکھ رہی ہیں اسے۔“ وہ چڑ گئی۔
 اماں مسکراتی ہوئی اٹھ کر اریب سے پہلے نکل گئی۔

☆☆☆

”اریب! تم نے مٹھائی کا آرڈر دے دیا۔“
 شام کو سب کے ساتھ چائے پیئے ہوئے اماں کو یاد آیا۔
 اماں کے جیپر ہونے والے تھے سو وہ اپنے کمرے میں
 پڑھائی کر رہی تھی۔

”اماں! مجھے یاد نہیں رہا۔ ابھی کر دیتا ہوں۔“
 ”کس بات کی مٹھائی؟“ سارہ چونک گئی۔
 ”ہم تاریخ لینے جا رہے ہیں رمضہ کے گھر۔“
 ان کی بات پر اذان کو اچھو لگ گیا۔ سب نے چونک
 کر اسے دیکھا۔
 ”تمہیں کیا ہوا؟“ اماں پریشان ہوئیں۔
 ”اماں! پلیز! ابھی صرف سارہ کی شادی پر
 وجہ ان دیں۔“

”جی، تمہارے دیسے والے دن سارہ کی
 رخصتی۔۔۔۔۔۔“
 ”اماں! پلیز۔“ وہ جھنجھلا کر ان کی بات کاٹ گیا۔
 وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

”اماں! ابھی میں تیار نہیں ہوں شادی کے
 لیے۔“
 ”یا گل ہو گئے ہو کیا؟ بارہ سال ہو گئے ہیں۔
 اس رشتے کو۔ تمہاری چچی اور چچا نے خود بچپن سے کہا
 ہے۔ کیا اچھا لگ رہا ہے ان کا اس طرح کہلوانا، ہمیں

بھی خیال کرنا چاہیے۔ ہم اپنی بیٹی بیاہ رہے ہیں۔
 سارہ تین سال چھوٹی ہے رمضہ سے۔ اس کے ماں
 باپ کے دل میں ارمان نہیں ہوگا۔“
 ”مگر میں ابھی تیار نہیں ہوں۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔
 ”دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟“ اماں کو برا لگا۔
 ”بیٹا! وہ لوگ کیا سوچیں گے، میں نے ان کو
 رضا مندی دے دی ہے کہ ہم اسی بختے آئیں گے۔
 آپا نے انہیں بتا دیا ہے اب تو بہت سی برا ہو جائے گا
 اگر ہم نہیں جائیں گے تو۔۔۔۔۔۔“
 ”اماں! آپ کو مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا۔“ وہ
 بے بسی سے انہیں دیکھنے لگا۔

”اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے اذان! یہ
 رشتہ پہلے سے طے ہے۔ کوئی میں نے اچانک تو طے
 نہیں کیا۔“ اس بار وہ ناگواری سے بولی تھیں۔
 ”آپ فی الحال انہیں منع کر دیں۔“
 ”میں ہرگز منع نہیں کروں گی۔“

”اوکے۔ میں خود بات کر لوں گا رمضہ سے۔“
 وہ چلا گیا تھا۔ اماں بخود رہ گئیں۔
 ”میرے اللہ! کتنا برا لگے گا انہیں۔“ وہ
 پریشان ہوئیں۔

”تیور نے بھی تو برا نہیں مانا اماں کے سمجھانے
 پر۔ رمضہ بھی برا نہیں مانیں گی بھائی کے منع کرنے پر،
 اگر وہ بھی تیور کی طرح محبت کرتی ہوں گی۔“ سارہ
 جھٹ سے بولی۔

”شٹ اپ سارہ! تیور اور اماں کا کوئی سالوں
 سے جراثیم نہیں تھا۔“ انہوں نے سارہ کو ڈپٹا۔
 ”اوکے اماں! آپ فینشن مت لیں، سب ٹھیک
 ہو جائے گا۔“ اریب نے انہیں لپٹا لیا اور وہ چپ سی
 ہو گئیں۔

پھر اذان نے رمضہ سے بات کر لی تھی۔ سارہ
 کی تاریخ میں آئی چچی نے افسردگی سے ان سے کہا۔
 ”سارہ چھوٹی ہے رمضہ سے! اچھا ہوتا، میں
 اس سے بھی قارغ ہو جاتی۔ اور وہ لب بھنج کر رہ
 گئیں۔

”اس وقت مجھے اپنی رنگت پر دھیان دینا ہے۔ بازاروں میں پھروں گی تو میں کالی ہو جاؤں گی اور دیے بھی امام کی پسند مجھ سے بہت اچھی ہے۔“ اس کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ صرف ایک ماہ تھا اور ماما کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ بازاروں کے چکر بھی ماما اور امام کے ہی لگ رہے تھے۔ سارہ نے توانکار کر دیا تھا۔

”امام بھلے ہی کوئلہ ہو جائے۔“ اریب نے فوراً کہا۔

”اس کی رنگت کم بھی ہو جائے تو اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دودھ کی طرح سفید رنگت ہے اس کی۔“

امام اس کی بات پر ہنس پڑی۔ تب ہی ماما کے ساتھ جانا پڑتا تھا اور دنیا کی کاپلی ترین لڑکی ان کے آنے سے پہلے کھانا تیار کر دیتی تھی جبکہ روٹیاں امام کو ہی بتائی پڑتی تھیں کیونکہ اریب اس کے علاوہ کسی کے ہاتھ کی روٹی پسند نہیں کرتا تھا۔

”ماما! آج جیولرز سے تمام سیٹ اٹھانے ہیں۔“ یونیورسٹی کے لیے نکلتے ہوئے اس نے ماما کو یاد دلایا۔

”یاں، مجھے یاد ہے۔“ ماما مسکرا دیں۔

”اریب کو بھیج کر منگوائیں ماما! کہ سارہ دیکھ لے، اگر کچھ کمی بیشی ہو یا اسے پسند نہ آئے تو واپس ہو سکیں۔“

”سارہ کو تو رہنے ہی دو۔ کسی چیز میں کوئی نقص نکالنے کا اسے حق نہیں ہے۔“ وہ خفگی سے بولیں تو وہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

”تم آفس نہیں جا رہے ہو۔“ اذان کو لاؤنچ میں بیٹھا دیکھ کر ماما چونک گئی تھیں۔

”طبیعت خراب محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا آج آرام کر لوں۔“ اس نے ٹی وی آن کر دیا۔ ”ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر کس طرح کا آرام کر رہے ہو۔“ انہوں نے اسے گھورا۔

”وہ بس نیوز دیکھ رہا تھا۔“ وہ ان کے پوس ڈانٹنے پر شرمندہ ہوا۔ ”آپ منع کر رہی ہیں تو چلیں بند کر دیتا ہوں۔“ اس نے ٹی وی آف کر دیا۔ ”ادنیہ..... اس میں بھی اپنی مرضی کر لو۔“ وہ آج کل جانے کیوں اس کی ہر بات پر چڑتی تھیں یقیناً یہ اس شرمندگی کا اثر تھا جو انہیں چچا چچی سے محسوس ہوتی تھی۔

”اذان! تم سارہ کی جیولری لے آؤ۔“ بارہ بجے انہیں لگا، امام کی بات سچ ہے کہ سارہ ایک نظر دیکھ لے۔

”کہاں سے؟“ وہ چونکا۔

”کپڑے کی دکان سے۔“ انہوں نے اسے گھور کے دیکھا۔

”اچھا لائیں، رسید دیں۔“ وہ گڑبڑا گیا پھر ان کی مزید خفگی سے بچنے کے لیے فوراً بولا تو انہوں نے اسے رسید لادی۔

”امام کو ساتھ لے لیتا۔“

”کیوں؟“ وہ رسید پر موجود پتے کو ذہن نشین کر رہا تھا ایک لخت چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ ”وہ جیولر تمہیں نہیں جانتا۔ کیا پتا جیولری دینے سے چکچکائے۔“

”مگر رسید تو ہے ناں میرے پاس۔“

”اذان! اتنی بحث کیوں کرتے ہو۔“ وہ بری طرح چڑ گئیں۔

”اچھا، ادکے۔ آپ خفامت ہوں۔ میں امام کے ساتھ چلا جاؤں گا۔“ وہ جلدی سے بولا تو وہ اسے گھور کر آگے بڑھ گئیں۔

”ماما مجھ سے ابھی اتنی ناراض ہیں اور جب انہیں سب پتا چلے گا تو.....؟“

اس سوال کا فی الحال کوئی جواب نہیں تھا وہ گہرا سانس لیتا اٹھ کھڑا ہوا۔

جس وقت وہ وہاں پہنچا جھٹی ہو چکی تھی۔ اس نے وہیں سے امام کو آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اتر کر امام

کی گاڑی کی طرف آگیا۔ اس کے ڈرائیور کو اس نے اپنی گاڑی لے کر کھر جانے کے لیے کہہ دیا۔ امام سیدھی وہیں آئی تھی اور پھر اذان کو دیکھ کر اسے اتنی حیرت ہوئی کہ وہ ہل بھی نہ سکی۔

”ماما نے جیولری منگوائی ہے۔“ اس سے نظریں چراتے اذان نے فرنٹ ڈور کھولا تو وہ گھوم کر آئی تھی جبکہ اذان ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اذان نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ڈیش بورڈ پر رکھی رسید اس کی طرف بڑھادی۔

”ہاؤ آر یو فرینڈ۔“ امام جیولری شاپ میں تمام زیور چیک کر رہی تھی کہ اس آواز پر ہلٹی۔

”اوہ تیمور! میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟“ اگلے بل امام خوش دلی سے مسکرائی تھی۔

”میں بھی آپ کی دعاؤں سے بالکل ٹھیک ہوں۔“ تیمور مسکرایا۔

”آپ کی تیاری ہوگئی؟“ امام نے ڈبے بند کرنے شروع کیے۔

”اپنی کسی تیاری..... ہم تو ہر حال میں شان دار ہیں۔“ اذان نے ان کے بیچ خاصی بے تکلفی محسوس کی۔

”اوہ کے تیمور! چلتے ہیں ہم۔ ابھی میں نے لُج بھی نہیں کیا اور بھوک بہت تیز لگ رہی ہے۔ آپ کھر آنا، میں انتظار کروں گی۔“ اس نے قدم بڑھایا۔

”امام! مجھے کچھ کام ہے تم سے۔ آئی نے بتایا کہ تم یہاں جیولری شاپ پر ہو تو میں یہاں آگیا۔“

”ہاں کہیں، کیا کام ہے؟“ وہ رکی۔

”تمہاری جیولری رہ گئی تھی باقی کا گنٹ۔“

”اوہ کے۔ وہ جو سامنے وائٹ ٹیکس ہے ناں۔ وہ گنٹ کر دیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ تیمور نے ایک نظر اس خوب صورت ٹیکس پر ڈالی تھی۔ امام اذان کی طرف دیکھے بنا باہر نکل آئی اور اذان جیسے سن سارہ گیا۔ امام کسی کے ساتھ اتنی بے تکلف ہو سکتی ہے، اسے یقین

نہ آیا۔ وہ لب بھینے خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا اور وہ کھر کی سے باہر نکل گئی۔

”امام بی بی! یہ پکٹ آپ کے لیے۔“ گاڑی کے رکتے ہی چونکدار نے اس کی سمت بڑھایا تو وہ پکٹ لے کر اندر چلی آئی۔

”یہ لو جیولری، اچھی طرح چیک کر لو بعد میں شکوہ مت کرنا۔“ اس نے بیک سارہ کی طرف بڑھایا۔

”یہ پکٹ میں کیا ہے؟“ سارہ نے بیک کی طرف دیکھا تھی نہ تھا۔

”ابھی چونکدار بابا نے دیا ہے۔“ اس نے پکٹ اس کی طرف بڑھادی۔ سارہ نے کھولا تو ایک بل کے لیے ماما بھی حیران رہ گئیں کیونکہ اسے دیکھتے ہی اس کی قیمت کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔

”کس نے دیا؟“

”تیمور نے۔“ اس کی نظر غیر ارادی طور پر اذان کی سمت اٹھی۔

”تمہیں کیسے پتا، یہ تیمور نے دیا ہے۔ اس پکٹ پر تو نام ہی نہیں لکھا۔“ سارہ نے ایک بار پھر کارڈ کوالٹ پلٹ کیا تھا، اذان بی بی میں گمن تھا۔

”یہ میں نے ابھی پسند کیا تھا۔“ پھر اس نے پوری تفصیل بتائی۔

”اب تم کیا کرو گی؟“ سارہ کا خیال تھا، اسے واپس کر دینا چاہیے۔ وہ سارہ کے سوال سے اس کے خیال تک پہنچ کر مسکرا دی۔

”تمہاری بارات والے دن پہنوں گی۔“ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

”پھر تو تمہیں بھی انہیں کچھ دینا چاہیے بدلے میں۔“

”سارہ! یہ بدلے کا ہی گنٹ ہے۔“

”یعنی تم انہیں گنٹ کر چکی ہو۔“ سارہ چونکی اور وہ چپ چاپ ماما کو دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تیمور ملا تھا ہمیں مارکیٹ میں۔ امام نے اسے سوٹ اور شوز وغیرہ گنٹ کیے تھے، یوں سمجھو

بارات کی تیاری کروادی تھی۔ سوٹ وغیرہ تو اس نے بھی دلوا دیا تھا لیکن جیولری باقی تھی۔ آج وہ اذان کے جانے کے بعد آیا تھا کہ امام کو جیولری دلادے تو میں نے اسے بتا دیا کہ اذان اور امام جیولری شاپ گئے ہیں تو شاید وہ وہیں چلا گیا۔“ ماما نے مسکرا کر سارہ کو بتایا۔

”آپ نے مجھے پہلے نہیں بتایا ماما۔“ سارہ حیران ہوئی۔

”مجھے دھیان نہیں رہا۔“ وہ تمام جیولری کے ڈبے لے کر چلی گئیں۔

”بھائی! اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لیں۔ جوڑی شان دار ہے ان کی اور پھر دونوں ہی خاصے مال دار ہیں۔“ اس نے ایک بار پھر اس صطیس کو بغور دیکھا جو کسی بھی صورت پانچ لاکھ روپے سے کم نہ تھا اور بھائی کے دماغ میں کیسی تل چل چکی تھی یقیناً وہ اس بات سے بے خبر تھی۔

☆☆☆

ماما نے سارہ کو ایک ہفتے پہلے سے مایوں بٹھا دیا تھا اور پورا گھر اسی دن سے مہمانوں سے بھر گیا تھا۔ امام اور ماما پوری طرح مہن چکر بنی ہوئی تھیں۔ امام مہمانوں کی خاطر تواضع میں بھی انجوائے کر رہی تھی، یہ اس کی زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ اسے دوسروں کے کام کرنے پڑے ہوں۔ اگر اس شادی میں اسے کوئی مسئلہ تھا تو اس کی وجہ مظاہر بھائی تھے جو مسلسل یہیں پر تھے اور اس کا سخت ترین امتحان بنے ہوئے تھے۔ ایسے وقت میں جب ہر طرف اس کے نام کی پکار مچ رہی تھی۔ وہ ان کی نظروں سے چھپ نہ سکتی تھی اور ان کی ہوس زدہ نظریں اسے نگھنے کو تیار محسوس ہوتی تھیں۔ شروع میں دو تین دن تو وہ زیادہ ندروس ہوئی۔ وہ باہر سے کچھ لاتے اور اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے جان بوجھ کر اپنی انگلیاں اس کے ہاتھوں سے مس کرتے۔ اس کے دونوں کھڑے ہو جاتے پھر اس نے ان سے کوئی بھی چیز لینے سے کترانا شروع کر دیا۔

”آپ وہاں رکھ دیں، میں اٹھالوں گی۔“ وہ فوراً کہتی اور وہ کھورتے رہ جاتے۔

☆☆☆

”امام ایک پلیٹ میں مٹائی لے آؤ۔“ ماما نے اس سے کہا۔

سارہ کی مہندی کی رسم ہو رہی تھی۔ حنا کے گھر والے آچکے تھے۔ سب لوگ باہر لان میں تھے۔ اندرونی حصے میں ایک دم سناٹا تھا۔ وہ سارہ کے کمرے کی طرف آگئی۔ واپسی پر وہ بری طرح اچھل پڑی۔ مظاہر بھائی وہیں کھڑے تھے۔

”راستہ دیں۔“ وہ لاؤنچ کے دروازے پر یوں کھڑے تھے کہ وہ نہ ہنستے تو وہ ان سے ٹکرائے بغیر گزر ہی نہ سکتی تھی۔

”نظر تو اٹھاؤ جان من! راستہ ہی راستہ ہے۔“ وہ خباثت سے کہتے اس کی طرف جھکے تھے، وہ خوف زدہ ہو گئی۔

”راستہ دیں پلیز۔“ وہ رو دینے کے قریب تھی۔

”یار! باہر آؤ! نہیں آ رہی تھی۔ بہن کی مہندی کا فنکشن شروع ہو گیا ہے۔ تم ابھی تک کیوں نہیں آئے۔“

قریب آتی اس آواز پر مظاہر بھائی یک دم سائیڈ پر ہوئے اور وہ تیزی سے نکلتی چلی گئی۔ آگے بڑھ کر اس نے پلیٹ کر اس شخص کو دیکھا جو دانستہ اور نادانستہ اس کا محافظ تھا پھر وہ خود کو مارل کرتی تیز تیز قدم اٹھا کر لان میں چلی آئی لیکن اس نے فیصلہ کر لیا، آئندہ وہ اندر اکیلی نہیں جائے گی۔ دوسرے دن انہیں ارباز کے گھر مہندی لے کر جانا تھا جب وہ تیار ہو کر آئی تو اس کا جی چاہا کہ وہ خود کو شوٹ کر لے۔

”جلدی آؤ امام!“ سب ہی لڑکیاں مظاہر بھائی کے ساتھ جارہی تھیں، وہ جن نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے، اسے کراہیت محسوس ہوئی۔ یک دم اس کی نظر ارباب پر پڑی تو وہ اس کی طرف آگئی۔

”ارباب! میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔“

”میری گاڑی میں جگہ نہیں ہے۔ ہم سب لڑکے جا رہے ہیں۔ آپ سعدیہ وغیرہ کے ساتھ آجائیں۔“ اریب نے مظاہر بھائی کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ ایک گہرا سانس لے کر چلی۔

”ماما سے کہنا میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ میں اسی لیے نہیں آئی۔“ سعدیہ سے کہہ کر وہ اندر آگئی۔ اسے مظاہر بھائی کے ساتھ ہرگز نہیں جانا، یہ طے تھا۔

”تم کیا لینے آ گئیں۔“ سارہ چونکی، اس کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگی تھی۔

”میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔“ وہ سینڈل اتار کر بیڈ کی دوسری سائیڈ پر لیٹ گئی۔ سارہ نے چند لمحوں سے دیکھا تھا۔

”ہاں جب ضرورت سے زیادہ کام کرو گی تو یہی ہوگا۔ وہ رمشہ صاحبہ تو مہمان ہیں، ہاتھ تھوڑی ہلائیں گی وہ اس گھر میں۔“ وہ بہت الجھی ہوئی تھی مگر سارہ کی بات پر ہنس پڑی۔

”تمہاری تان ہمیشہ رمشہ آپ پر ہی آکر ٹوٹی ہے۔ اب میرے سر میں درد ہے تو اس میں رمشہ آپ کا کیا قصور۔“ سارہ منہ بنا کر رہ گئی۔

☆☆☆

”پھپھو! امام کی طبیعت خراب ہو گئی تھی، وہ سارہ کے پاس رک گئی۔“ سعدیہ کی بات پر ماما تو ماما اذان بھی چونک گیا۔

”کیا مطلب؟ کیا ہوا اسے۔“ ماما پریشان ہو گئیں، اسی بل تیسور ان کے قریب آیا۔

”آئی! امام کہاں ہے؟“

”اذان! فون کرو امام کو۔ کہیں زیادہ طبیعت تو خراب نہیں ہوئی اس کی۔“ ماما نے تیسور کو جواب نہیں دیا تھا لیکن اذان سے پہلے تیسور ہنسنے لگا کہ چکا تھا۔

”امام! کیا ہوا۔۔۔۔۔۔ تم آئیں کیوں نہیں۔ آئی پریشان ہو رہی ہیں۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے۔۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔ وہ جو پریشانی سے تیز تیز بول رہا تھا، امام کے ہنسنے پر چپ ہو گیا۔

”ماما سے کہو، میرے سر میں درد ہے اور بس۔“ ”تم کوئی سر درد کی ٹیبلٹ لو، میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔“ تیسور نے کہا۔

”اوکے۔“ اس نے کہا تو تیسور نے فون بند کر دیا۔

”آئی! سر میں درد تھا، اسی لیے نہیں آئی۔ میں لینے جا رہا ہوں۔“ ”بہت اچھا کرو گے بیٹے! اسے کوئی دوائی وغیرہ کھلا دینا۔“ ماما مطمئن ہوئیں۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ اذان کی نظر نے بہت دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ تیسور کے ساتھ تھی۔ حنا کا گھر تو اسی لائن میں تھا لیکن مہندی کا فنکشن انہوں نے ہال میں اریج کیا تھا۔

”ماما بس پکڑ آ گئے تھے، اسی لیے میں نہیں آئی۔“ سچائی ماما کو نہیں بتائی جاسکتی تھی۔

”گھنٹے دن سے ڈھنگ سے کھانا پیتا نہیں کر رہی ہو، ایسا تو ہوگا ہی۔“ انہوں نے ڈنڈا تو وہ سوری کہتی ان سے لپٹ گئی تھی پھر وہ مستقل ماما کے ساتھ رہی۔ واپسی پر ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے اس نے سکون کا سانس لیا۔

☆☆☆

بارات والے دن وہ سارہ کو لے کر پارلر آئی تھی۔ دل گواہی دے رہا تھا کہ لینے مظاہر بھائی ہی آئیں گے۔ سارہ کے تیار ہونے کے بعد اس نے ماما کو فون کیا، سب لوگ ہال پہنچ گئے تھے۔

”ہاں مظاہر بھائی نے والا ہوگا تم لوگوں کو لینے۔“ ماما نے جواب دیا اور اس نے اگلا فون تیسور کو کیا۔

”پار! بارات کے ساتھ آؤں گا۔“

”نہیں! آپ ابھی مجھے لینے آرہے ہیں۔ فوراً پہنچیں۔“ اس نے فون بند کر دیا لیکن تیسور سے پہلے مظاہر بھائی آ گئے۔

”جو ہمیں لینے آئے ہیں، ان سے کہو ویٹ کریں۔“

”جی۔“ ریسپشن کرل نے اسے حیرت سے

دیکھا کیونکہ سارہ تیار تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ آئی۔
 ”کوئی تیمور صاحب بھی آپ کو لینے آئے
 ہیں۔“ اس بار اس نے اسے عجیب نظروں سے
 دیکھا۔

”اوکے۔“ وہ سارہ کو لینے چلی گئی۔
 ”تیمور!“ سارہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص کو
 دیکھ کر چونکی۔

”کیا مطلب..... تم لینے کیوں آگئے؟ میں
 لینے تو آیا ہوں۔“ مظاہر بھائی تھلا کر اپنی گاڑی سے
 اترے۔

”تیمور کو میں نے بلایا ہے۔“ اس نے سارہ کو
 کچھ سیٹ پر دھکیلا تھا اور دروازہ بند کر دیا۔
 ”وہ سسرالی رشتے دار ہے، تم نے اسے تکلیف
 کیوں دی۔“ مظاہر بھائی غصے میں تھے۔

”مجھے صرف یہ پتا ہے، وہ میرا دوست ہے۔“
 وہ فرنٹ ڈور کھول کر خود بیٹھ گئی تھی۔ تیمور نے گاڑی
 آگے بڑھائی۔ سارہ نے بہت غور سے اسے دیکھا
 تھا۔

”پتا نہیں بھائی کو کیا مجبوری ہے، ورنہ یہ تو
 پرفیکٹ کپل ہے۔“

جس وقت وہ لوگ ہال میں پہنچے تھے، سب
 سے پہلے اذان کی نظر ان پر پڑی تھی اور وہ امام کو تیمور
 کے ساتھ دیکھ کر اتنا حیرت زدہ ہوا کہ ساتھ کھڑا شخص
 کیا کہہ رہا تھا، اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ امام بھی اس کی
 حیرت کو دیکھ چکی تھی پھر امام نے اتر کر سارہ کو گاڑی
 سے اتارا تو اذان نے خاموشی سے آگے بڑھ کر سارہ
 کو سہارا دیا اور اسے تک لایا۔

کچھ ہی دیر میں بارات آگئی۔ نکاح ہوا۔ رسمیں
 شروع ہو گئیں، جو بھی گفٹ مل رہے تھے، ماما وہ امام
 کی تحویل میں دے رہی تھیں۔

”یہ سسرال والے لے کر جائیں گے یا میرے
 والے۔“ اس نے بڑا سا شاپر لاکر تیمور کی گاڑی کی
 ڈگی میں رکھا، جب ہی تیمور کی اس پر نظر پڑی تو وہ چلا
 آیا۔

”پتا نہیں۔ ماما سے پوچھنا پڑے گا۔“ وہ
 مسکرائی اور تیمور وہ شاپر ڈگی میں رکھنے لگا۔
 ”رخصتی میں کتنا وقت ہے۔“

”بس سہرا بندھ رہا ہے۔“ اسے لگا کوئی اسے
 مگھور رہا ہے، اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر مظاہر
 بھائی کو دیکھ کر گہرا سانس لیا اور رخ مزید تیمور کی طرف
 موڑ لیا۔

”میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔“ کہہ کر وہ
 سارہ کی طرف آگئی۔ جو بہت سارے لوگوں کے
 گھیرے میں تھی، اس نے آگے بڑھ کر اسے پٹنایا تو
 بے اختیار دل بھر آیا پھر ارباز کی گاڑی میں اسے بٹھا
 کر وہ پیچھے ہوئی۔ ان کی گاڑی آگے بڑھی تو وہ ماما کی
 طرف مڑی۔

”ماما! میں نے شاپر تیمور کی گاڑی میں رکھ دیا
 ہے، میں خود بھی ان کے ساتھ آ رہی ہوں۔“ اس نے
 کہا تو ماما نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”ارے امام کو تیمور کے علاوہ کوئی نہیں مل رہا،
 کہیں آپ نے انکار کر کے غلطی تو نہیں کر دی
 اذان؟“ رمضہ نے چونک کر امام کو دیکھا۔

”مظاہر بھائی لینے گئے تھے پارلر مگر وہ لوگ
 تیمور کے ساتھ آئیں۔ میں نے مظاہر بھائی سے
 پوچھا تو کہنے لگے امام نے تیمور کو فون کر دیا تھا۔
 صرف تیمور نہیں بلکہ امام بھی اس میں انٹرنلڈ ہے۔“
 رمضہ نے لاسٹ میں اپنا جزیہ بھی پیش کیا تھا۔
 اذان کے چہرے سے لگ رہا تھا جیسے اس کا ان سب
 باتوں سے کوئی واسطہ نہ ہو، اس کی لاشعری کو دیکھتے
 ہوئے رمضہ چپ ہو گئی۔

”تم کہاں تھیں؟“ وہ جوں ہی گھر میں داخل
 ہوئی، رمضہ نے پوچھا۔

”تیمور سارہ کے گھر لے گئے تھے۔“ اس نے
 شاپر جیناں کو دیا کہ وہ ماما کو دے آئے۔

”تم تیمور کے ساتھ تھیں؟“
 ”جی۔“

”کیا بات ہے بھئی؟“ وہ معنی خیزی سے بولی تو

وہ چونک گئی۔

”تم کہو تو اذان بھائی کو منائیں۔“

”کیا مطلب؟“

”بھئی یہاں تو یہی مشہور ہے کہ تیمور تم میں

انٹرنلڈ ہے مگر اب سب ہی کو نظر آ رہا ہے، تم بھی اس

میں انٹرنلڈ ہو۔“ وہ اس کی بات پر حیرت زدہ رہ گئی۔

”تمہیں ایسا کیوں لگا؟“

”ہمیں نظر آ رہا ہے کہ تمہیں اس کے علاوہ کوئی

نظر نہیں آ رہا۔ اسی کے ساتھ آتا، اسی کے ساتھ

جاتا۔“

”اس میں انٹرنلڈ ہونے کی کیا بات ہے، وہ

میرا دوست ہے۔“

”تو اس دوستی کو رشتہ میں بدل دو۔“ وہ ہنس کر

کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

تیمور کے ساتھ آنے جانے کی ”وجہ“ سے تو کوئی بھی

واقف ہی نہ تھا اسے اذان کی حیرت بھری نظر یاد آئی

وہ اس کی اس حرکت پر لاپتہ نہ رہ سکا تھا۔ نجانے کیا

سوچا ہوگا اس نے اور باقی سب لوگ کس نظر سے دیکھ

رہے تھے۔ یہ اسے رشتہ کی باتوں سے سمجھ میں

آ گیا۔

”اف اللہ! میں کیا کروں۔ میں کسے بتاؤں،

مجھے مظاہر بھائی سے خوف آتا ہے۔ میں ان سے ڈر

کر تیمور کے ساتھ آنا جانا کر رہی ہوں۔ میرے مولا!

میری حفاظت فرما۔“

پھر دوسرے دن ولیمہ نمنا کر بہت سے مہمان

وہیں سے لوٹ گئے۔ اس نے سکون کا سانس لیا

کیونکہ ان لوٹ جانے والے مہمانوں میں مظاہر

بھائی بھی تھے اور اس نے کتنے دن بعد خود کو آزاد

محسوس کیا تھا لیکن ساتھ ہی مہینے بھر کی تھکن آج

غائب ہو گئی۔ صبح اس سے اٹھاسی نہ گیا۔

☆☆☆

”روٹی کس نے بنائی۔“ اریب روٹی دیکھتے ہی

چونک پڑا۔

”لگ نے۔“ ماما نے جواب دیا۔ ”اتنا تیز

بخار ہو رہا ہے ماما کو۔ ابھی دوائی دی ہے میں نے

اسے۔“ انہوں نے کہا، اریب فوراً اٹھ کر اس کے

کمرے میں گیا۔

”سوری ہیں۔“ وہ واپس آ گیا۔

”ماما! یقین کریں، بالکل مزا نہیں آ رہا کھانے

میں۔“

”اب کیا اتنی طبیعت خرابی میں روٹی بنوا لیتی

میں اس سے۔“ ماما چڑھ گئی۔

”ماما دیکھیے گا، ماما جائیں گی تو میں کتنے دن

تک کھانا نہیں کھا سکوں گا۔“ اس نے افسردگی سے کہا

تو ماما مسکرا دیں اور اذان کے لب بھینچ گئے تھے۔

دوسرے دن اس کا بخار اترنے کے بجائے مزید بڑھ

گیا۔

☆☆☆

پھر سارہ ایک ہفتے بعد نادرن ایریاز چلی گئی مہنی

سون کے لیے اور اس کے دوسرے دن اذان کسی کام

سے اسلام آباد چلا گیا۔ دس بارہ دن ہو گئے تھے۔ اس

کے بخار کو ماما اس کی وجہ سے کہیں نہ جاری تھیں۔ تایا

ابو کے یہاں پوتا ہوا تھا۔ ان کے گھر مبادک یاد دینے

جانا تھا۔ آج اس کی طبیعت پہلے کی نسبت بہتر تھی تو ماما

اریب کو لے کر چلی گئیں۔

کافی تیز ہوا میں چل رہی تھیں اور بادل بھی

چھائے ہوئے تھے۔ ماما کا ارادہ جلد ہی لوٹ آنے کا

تھا مگر وہ لوگ ان کے گھر پہنچے ہی ہوں گے کہ بارش

شروع ہو گئی۔

”اللہ رحم کرے، ایک تو ہم کراچی والوں کو

بارش اتنی مشکل سے ملتی ہے اور آج اسے انجوائے

کرنے کے بجائے ڈر لگ رہا ہے۔“ اس نے اریب

کو سچ کیا۔

”حق کو ملا لیں۔ ہم تو اب جب ہی آئیں گے

جب بارش کم ہوگی۔“ اریب کا سچ آیا۔

”رہنے دو، اسے بلا کر کیا کروں گی، مجھے اب

چکر آ رہے ہیں۔ میں کمرے میں جا کر لیٹ جاتی

ہوں۔“

”او کے..... اپنا خیال رکھیے گا۔“ ادھ کھلی آنکھوں سے ہنسل اس نے اریب کا سنج پڑھا تھا اور مسکرا دی۔ ان سب کے پیار پر کوئی شک نہیں کیا جاسکتا تھا۔

”ہیلو جان! اب کسی طبیعت ہے آپ کی۔“ مظاہر بھائی کی آواز پر وہ دھک سے رو گئی۔
”آپ.....؟“ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”میں نے سنا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے تو یقین کرو، مجھے بھی ایک ہل کے لیے جین نہیں آیا۔“ وہ اس کی طرف بڑھے تھے اور اسے لگ رہا تھا وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گی۔

”بہت تنگ کیا تم نے مجھے۔“ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اسے کندھوں سے تھاما۔ وہ اتنے قریب تھے کہ کوئی راہ فرار نہ تھی۔ اسے وہ سب یاد آئے جنہوں نے اس کی عزت و جان کے لیے اپنی جانیں قربان کر دی تھیں لیکن وہ آج بھی غیر محفوظ تھی۔ اس کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ کہاں تھا جو اس کے آرام و سکون کا نہیں بلکہ تکلیفوں کا سامھی تھا، جو اس پر آنے والی ہر مصیبت میں بن بلائے اس کی مدد کو آتا تھا۔

”اذان.....“ اس نے بے اختیار ہو کر اسے پکارا تھا پھر مظاہر بھائی کو دھکیلتے ہوئے وہ تیزی سے لاؤنج کے دروازے کی طرف بڑھی۔

”امام.....“ وہ جو ہمیشہ اس کے بن بلائے آتا تھا، آج پکارنے پر کیوں نہ آتا۔ دونوں ہی لاؤنج کے دروازے پر کھڑے تھے۔

”اذان! مجھے پچالیس..... مجھے ان سے پچالیس اذان.....“ وہ اس سے لپٹ کر بری طرح رونے لگی اور وہ حیرت سے ناگہی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔

”مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے..... ان سے بچنے کے لیے میں تیمور کے ساتھ رہی..... یقین کریں اذان.....! ان سے بچنے کی بہت کوشش کی..... مجھے

پچالیس اذان.....“ اس کا بے تحاشا بلند آواز میں روتے ہوئے کہتا جب اذان کی سمجھ میں آیا تو اگلے ہل وہ مظاہر سے لڑ پڑا تھا۔

”سارو کو اس کے ساتھ مت آنے جانا دیا کرو، تمہارا کزن اچھی ہنجر کا مالک نہیں ہے۔“ ہلال کی آواز کہیں پاس سے ابھری اور اذان کا جی چاہا زمین شق ہوا اور وہ اس میں سما جائے۔ ہلال کو سارو کا کس قدر خیال تھا پھر اذان کیے امام کی طرف سے لافلق ہو گیا۔

”تم..... تم کہنے..... دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ اس نے مٹھیاں سمجھنے لگیں۔ مظاہر تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا اور اذان تھا کہ اس کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا۔

”ریلیکس امام.....“ اس کا سر اذان کے سینے پر تھا ایک ہاتھ سے بازو کو تختی سے تھامے دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں اذان کی شرٹ پکڑے وہ دھواں دھار رو رہی تھی۔

”کاش میں ان لوگوں کے ساتھ مرجاتی یا وہ لوگ مجھے میری حفاظت کے لیے اتنے لوگوں کو مارنے کے بجائے مجھے ہی ایک گولی مار دیتے۔“ اس کا سر تھپکتا اذان کا ہاتھ ساکت ہوا تھا۔

”میں اتنے لوگوں کے لیے مصیبت ہوں پھر بھی مجھے موت نہیں آتی، کاش میں بھی مرجاؤں۔“ روتے تڑپتے اسے احساس نہ ہوا کہ اذان کا ہاتھ اس کے کندھے پر اپنی گرفت مضبوط کر گیا ہے۔

”امام..... پچالیس، ریلیکس ہو جاؤ۔“ وہ بے چین تھا اسے شرمندگی تھی، جانے کتنے دنوں سے امام خود کو غیر محفوظ سمجھ رہی ہوگی اور اب خبر تک نہ ہوگی۔

”امام تم نے مجھ سے تو کہا تو ہوتا کہ وہ تمہیں اس طرح تنگ کئے ہوئے ہیں۔ تم اتنی پریشان رہیں اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔“ امام کا رونا اب ہچکیوں میں بدل گیا تھا۔ اس نے اپنے کار سے اس کا ہاتھ ہٹایا تھا وہ چاہتا تھا کہ اسے پانی لا کر دے مگر وہ چونک گیا۔

کرنے میں اپنا وقت خرچ کرتی ہے۔“ وہ پورا اس کی طرف گھوما تھا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ اپنی حسین اداؤں کے جس جال میں اس نے جسیں پھنسا یا ہے، اس جال کو وہ اب تیسور پر چلا رہی ہے۔“

”مظاہر!“ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

”وہ کتنی کشیا لڑکی ہے، میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں لیکن تم شاید اسے اپنا وفادار سمجھے بیٹھے ہو دیکھا نہیں تم نے، سارہ کی شادی میں کس طرح تیسور کو اپنے پیچھے لگایا ہوا تھا۔ وہ ایسی لڑکی ہے جو کبھی کسی وفا نہیں کر سکتی۔ وہ کبھی کسی ایک مرد کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی اسے ہزار مرد چاہیں اپنے حسن کو سراہنے کے لیے۔ تم اس کے لیے رشتے بگاڑ رہے ہو۔ غلط کر رہے ہو اذان اودہ نہیں۔“

”چٹاخ“ کی آواز کے ساتھ ہی رمضہ کی بولتی بند ہو گئی تھی۔

”بکو اس بند کرو اپنی۔ اب ایک لفظ بھی امام کے بارے میں کہا تو منہ توڑ دوں گا۔“ رمضہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے گئی۔ اسے ابھی تک یقین نہ ہوا تھا کہ اذان اسے پتھر مار چکا ہے۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے، تم نے اس لڑکی کے لیے رمضہ پر ہاتھ اٹھایا۔“ چچا کو غصہ آیا تھا۔ باقی سب حیرت سے اذان کو دیکھ رہے تھے سوائے ماما کے یقیناً انہیں رمضہ کی باتیں بری لگی تھیں۔

”اوہ کے اذان اگر وجہ یہ نہیں جو مظاہر نے کہی تو وجہ کیا ہے۔“ پھپھو نے کہا۔

”میں شادی شدہ ہوں۔“ امام کی آواز پر سب نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا، اریب اور امام تھے۔

”جھوٹ بول رہی ہو تم۔“ مظاہر یکدم بولا تھا ماما حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں ماما۔“

”کہاں ہیں تمہارے شوہر؟ بلاؤ انہیں۔ اتنے

عرصے تم نے ہم سے جھوٹ بولا اتنی بڑی بات تم نے چھپائے رکھی۔“ پھپھو بولیں۔

”ماما یہ جھوٹ بول رہی ہے ایسا ہی کوئی جھوٹ اس نے تیسور سے بھی بولا ہے۔ آپ یقین کریں۔ یہ شادی شدہ ہو ہی نہیں سکتی۔“ مظاہر فوراً بولا۔

”بلاؤ امام اپنے شوہر کو۔“ ماما نے یکدم کہا تھا امام گزبوا گئی۔

”ماما اودہ..... اصل میں ماما۔“ اسے سمجھ نہ آیا وہ کیا کہے۔

”اس کے شوہر کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

اس کی نظریں لاؤنچ کے گلاس وال سے باہر لان میں جمی تھیں۔ امام نے پریشان ہو کر اسے دیکھا وہ کیا کہنے جا رہا تھا وہ کیا بتانے جا رہا تھا امام کو اپنا سانس رکنا ہوا محسوس ہوا۔

☆☆☆

”اذان بہت مفرد ہے۔“

یہ جملہ وہ اپنے لیے اکثر سنتا تھا لیکن وہ نہیں مانتا تھا کہ وہ مفرد ہے جس خصوصیت کا یا لک تھا اس کی ہر کسی سے ملنے کی عادت نہیں تھی۔ خاندان بھر میں چند ایک لڑکوں سے ہی اس کی دوستی تھی۔ قدرت نے اسے مردانہ حسن سے نوازا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ جو ایک بار دیکھتا وہ پلٹ کر ضرور دیکھتا۔ یہ اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ خاندان کی ہر لڑکی اس پر فدا تھی۔ یہ بھی اس کے لیے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ وہ سولہ سال کا تھا جب پاپا نے چچا سے رمضہ کو اس کے لیے مانگا رمضہ اس کے ساتھ سوٹ کرتی ہے یا نہیں۔ اس نے یہ سب نہیں سوچا بس پاپا نے کہا اور اس نے مان لیا۔ باقاعدہ ان کی جھگڑا تو نہیں ہوئی تھی لیکن یہ بات خاندان بھر میں مشہور ہو گئی اور لڑکیاں رمضہ پر رشک کرتیں اس سے حسد کرتیں اور یہ باتیں خوب ہنس ہنس کر اسے رمضہ ہی بتاتی تھی۔

وہ سینڈ ایر میں تھا جب پاپا کی ڈیوڑھی ہوئی تھی اسے لگا جیسے وہ بھری دنیا میں اکیلا ہو گیا ہو وہ پہلے بھی

سجیدہ تھا مگر اب تو جیسے بولنا ہی بھول گیا، ان دونوں رمضہ نے اسے بہت سہارا دیا وہ اس کی بہت کیئر کرتی تھی وہ اس کا ممنون تھا جس نے اس فیز میں اس کا ساتھ دیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اس کے پاپا نے اس کے لیے ایک اچھا شریک سسر چنا ہے وہ ایم بی اے کر رہا تھا جب اس پر یہ بات آشکار ہوئی۔

”اریب! مجھے رمضہ اچھی نہیں لگتیں وہ مجھے ہرٹ کرتی ہیں۔“ سارہ منہ بناتے ہوئے اریب سے مخاطب تھی۔

رمضہ کو صرف اس کی پروا ہے اس کے گھر والوں کی نہیں۔ سارہ اور اریب کو بہت ہرٹ کرتی ہے وہ ماما کا بھی زیادہ خیال نہیں کرتی ہے۔ وہ یہ سن کر پریشان سے زیادہ حیران ہوا تھا۔

”میں سمجھاؤں گا تو سمجھ جائے گی۔“ وہ رمضہ کی طرف سے کوئی غلط خیال دل میں نہیں لانا چاہتا تھا اس نے آہستہ آہستہ اسے سارہ اور اریب کے قریب لانا شروع کیا لیکن اسے لگا یہ خاصا مشکل ہے رمضہ انہیں ٹھکٹی اپنے اور اذان کے درمیان برداشت نہیں کرتی وہ پریشان ہو گیا۔ وہ کہتا نہیں تھا لیکن یہ مطلب نہیں تھا کہ اسے اپنی بہن بھائی اور ماں سے محبت نہ تھی۔ اسے اپنی فیملی سے بہت محبت تھی اور پاپا کے بعد تو وہ انہیں اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا۔

☆☆☆

”اذان! پی سی چلیں لُنج کے لیے۔“ یونیورسٹی سے واپسی پر سعد نے اس سے کہا۔

”چلتے ہیں۔“ آج ماما خالہ کے گھر گئی تھیں اریب اور سارہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ سعد کے ساتھ آگیا۔ ابھی انہوں نے چیر کھسکا کی تھی کہ سعد کا فون آگیا اس کی بڑی بہن لندن سے سعد فیملی کے آگئی تھیں۔ وہ فوراً چلا گیا جبکہ اس نے لُنج کا آرڈر کر دیا لُنج اب وہ تک وہ یو پی اوھر اوھر نظریں دوڑا رہا تھا زیادہ لوگ نہیں تھے۔ تقریباً تمام ٹیبلز خالی تھیں ایک ٹیبل پر تین چار مرد حضرات بیٹھے تھے دو تین ٹیبلز پر کپلو تھے پھر وینر نے کھانا لگا دیا تو اس نے کھانا کھانا

شروع کر دیا کھاتے کھاتے عجیب سے احساس کے تحت اس نے سر اٹھایا تو سامنے والے ٹیبل پر بیٹھے تین مردوں کے ساتھ بیٹھا اس کی عمر کا لڑکا اسے سائیڈ پر بیٹھے شخص سے باتیں کرتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کے لیے نئی بات نہ تھی۔ اس نے سر جھکا کر پھر سے کھانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد اس کی نظر غیر ارادی طور پر اٹھی۔ وہ لڑکا اب اکیلا تھا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس سے نظر ملنے ہی وہ مسکرایا۔ کھانا ختم کر کے وہ بل بے کر کے اٹھنے ہی والا تھا کہ وہ اٹھ کر اس کی ٹیبل پر آگیا۔

”السلام علیکم۔ میرا نام ہلال حسن ہے۔ کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔“ وہ چونک گیا۔ اس کے اجازت دینے سے پہلے ہلال بیٹھ چکا تھا۔

”آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔“ وہ مسکرایا تھا۔

”اذان جنید۔“

”پڑھتے ہیں آپ۔“

”ایم بی اے کر رہا ہوں۔“

”گڈ! میں بھی ایم بی اے کر رہا ہوں۔ میں ہنزہ سے یہاں آیا ہوں آپ کے شہر میں۔ نیا ہوں کرائے کے گھر رہتا ہوں دیے۔ وہ بولتے بولتے ایک پل کور کا تھا۔

”کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گے۔“ اذان کو یہ اجنبی کسی بھی طرح سمجھ نہیں آ رہا تھا کوئی بھلا یوں راہ چلتے کسی سے دوستی کرتا ہے بھلا۔

”اذان! یہ میرا کاٹیکٹ نمبر ہے۔ پلیز آپ پھر مجھ سے ضرور رابطہ کیجیے گا۔“ اس نے ایک کاغذ پر اپنا نمبر لکھ کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ اذان اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اذان کا اس اجنبی سے رابطہ رکھنے کا ارادہ ہرگز نہ تھا۔ وہ چلا گیا۔

☆☆☆

”کیا ہوا سارہ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔“ وہ چونک گیا اس کی سوچی آنکھیں دیکھ کر۔ ”بھائی آج سارہ کا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے رہ گیا۔“ اریب نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ اریب کی بات پر وہ پریشان

ہوا تھا۔

”بھائی! کالج کے باہر آج کچھ لڑکوں نے مجھ سے بدتمیزی کی۔“

”واٹ۔۔۔ صبح تم میرے ساتھ چلنا، مجھے دکھاؤ کون ہیں وہ لڑکے۔“ وہ بری طرح سے گھول اٹھا۔

”ڈونٹ وری بھائی! اب وہ بے چارے اس قابل نہیں رہے کہ آپ۔۔۔ انہیں کچھ کہیں وہ ہاسٹل میں پڑے اس وقت کو کوں رہے ہیں جب انہوں نے سارہ سے بدتمیزی کی کوشش کی تھی۔“ اریب نے حڑے لے کر کہا۔

”کیا ہوا انہیں؟“

”وہاں سے ایک لڑکا گزر رہا تھا، اس نے ان کی خوب پٹائی کی اور سارہ کو باغیچہ گھر چھوڑ گیا۔“

”آپ ذرا سی دیر پہلے آ جاتے ابھی تو مگے ہیں وہ بھی۔“ سارہ نے کہا۔

”بہت اچھا بچہ ہے، کراچی میں نیا ہے۔ کہیں جاب کرتا ہے۔ ساتھ ہی ایم بی اے کر رہا ہے۔ ہنزہ سے آیا ہے یہاں اپنا کھٹک نمبر دے کر گیا ہے۔“

”ہلال حسن!“ وہ چونک گیا۔

”ہاں یہی نام تھا کیا تم اسے جانتے ہو۔“ اما بھی چونک گئیں۔

”ابھی ایک ہفتے پہلے مجھے پی سی میں ملا تھا۔ کھٹک نمبر دیں اس کا ذرا۔“ اس نے کہا تو اریب نے اسے نمبر دیا۔ اپنے پاس موجود نمبر وہ کھوچکا تھا۔

”السلام علیکم۔“ دوسری طرف سے رابطہ ہوتے ہی کہا گیا۔

”وعلیکم السلام۔ آپ ہلال ہیں۔“

”کیوں مسٹر! عید کا ارادہ ہے کیا۔“ خاصے چبکتے ہوئے لہجے میں پوچھا گیا۔

”عید نہیں دید کرنے کا ارادہ ہے۔“

”آپ کون ہیں۔“ ہنستے ہوئے پوچھا۔

”کیونکہ ہم ذرا خاص خاص لوگوں کو اپنی دید کرداتے

ہیں۔“

”اذان جنید۔“

”ارے اذان! آپ کہاں ہیں اور اتنے دنوں بعد آپ نے رابطہ کیا میں تو سمجھا آپ مجھ سے ملنا ہی نہیں چاہتے۔ آپ نارغ ہیں تو پی سی آ جائیں۔ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔“ وہ سانس لیے بنا بولے گیا۔

”آپ میرے گھر آ جائیں۔“ وہ مسکرایا۔

”اذان! آپ کی میموری ویک ہے کیا۔“ وہ یقیناً حیران ہوا۔

”آپ کو کیسے اندازہ ہوا۔“ اذان کو حذرہ آیا۔

”میں نے آپ کا گھر کبھی نہیں دیکھا اور آپ مجھے یوں دعوت دے رہے ہیں جیسے میں آپ کے گھر کے برابر والے گھر میں موجود ہوں۔“

”ابھی کچھ دیر پہلے جس گھر میں آپ موجود تھے۔ وہ میرا گھر ہے۔“

”یو مین سارہ۔“ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”وہ میری چھوٹی بہن ہے میں آپ کا بہت۔۔۔۔۔۔“

”شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری بہن کی ہیلپ کی۔“ ہلال نے اس کی بات اچک لی۔ ”آپ نے مجھے اس سب کے لیے فون کیا ہے اور میں اسے آپ کی دوستی سمجھ رہا ہوں۔“ اس کی آواز میں ناراضی تھی۔

”آپ میرے گھر آ جائیں۔“

”نہیں۔ آپ پی سی آ جائیں۔“

”اوکے۔“ اذان ہار مانتے ہوئے مسکرایا تھا۔

وہ پی سی آ گیا اندر جانے کے بجائے ہلال اور اذان کا ریس ہی آ بیٹھے۔

”میں آپ کا ممنون ہوں ہلال۔“

”اذان! میں اس سب کے لیے یہاں نہیں آیا ہوں۔ آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں اور بس۔“ اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اذان نے تمام لیا۔

”ہم سے ملنے روز آپ یہاں آئیں گے جس دن آپ مصروف ہوں گے مجھے فون کریں گے۔“
”تو کیا آپ بھی مصروف نہیں ہوں گے۔“
اذان کو ہنسی آئی۔

”آپ کے لیے ہر مصروفیت پس پشت۔“
وہ بہت گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ اذان الہجھا لیکن ہلال نے فوراً ہی اپنی نیلی کی باتیں شروع کر دیں۔ اس کی ماں نہیں تھیں بابا تھے وہ ہنزہ میں تھے۔ جلد ہی وہ آپ سے تم پر آگئے اور وہ ہلال کے ساتھ ایک خوب صورت شام گزار کر گھر آگیا۔

پھر وہ روز ملنے لگے، وہ فقط ایک ماہ میں ہلال کا اس قدر عادی ہو گیا کہ اب صبح سے شام تک کا ایک ایک بل اس پر بھاری گزرتا تھا اور ہلال کے ساتھ وقت کیے گزرتا، اسے احساس تک نہ ہو پاتا۔

☆☆☆

”ہلال! آج تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔“
”رہائش کا مسئلہ ہو رہا ہے یار! اور کوئی بات نہیں ہے۔“

ہلال نے بتایا تو دوسرے دن اس نے ماں سے بات کی ماں نے اسے ہلال کو انیسویں میں ٹھہرانے کی اجازت دے دی اور یوں ہلال اس کے گھر آگیا بلکہ اس کے پورے گھر پر چھا گیا تھا ماں کی ہر پریشانی کا حل اس کے پاس تھا تو ارباب کے لیے بے شمار گیمز تھے سارے کو خوب صورتی کے لیے بے شمار نہیں دیتا۔ اذان حیران ہوتا تھا کہ وہ چیز کیا ہے اور بتایا ابو کے بیٹے کی شادی میں تو پورا خاندان ہلال کا دیوانہ بن گیا۔

”ہلال! مجھے بھی وہ لطیفہ سناؤ۔“ وہ پچھا کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا تھا۔

”کون سا؟“ ہلال چونک گیا۔
”وہی جو ابھی پچھا کونسا ہے تھے۔“
”ہم تو یونہی باتیں کر رہے تھے۔“
”مگر وہ تو یوں قہقہے لگا رہے تھے جیسے چارلی

چپلن کی فلم دیکھ رہے ہوں، یقین کرو میں نے اپنی پوری زندگی میں انہیں بمشکل مسکراتے دیکھا ہے۔“
”جسہیں پتا ہے، لوگ ہمارے ساتھ خوشی محسوس کرتے ہوں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔“

”پھر میں اس انعام سے محروم ہوں۔“ اس نے یونہی کہہ دیا ہلال نے اسے دیکھا اور کئی لمحوں تک دیکھتا رہا وہ الجھا۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہو ہلال۔“
”تمہارے خیال سے بھی کسی کو کتنی خوشی ملتی ہے تم اس بات سے واقف ہی نہیں ہو اذان۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”کیا مطلب؟“ وہ کچھ نہ سمجھا۔
”سب لڑکیوں کے لیے ماں نے مجھے منگوائے ہیں جلدی چلو کہیں دیر نہ ہو جائے۔“ وہ آگے بڑھ گیا تھا ہلال کی یہ حرکت اسے ہمیشہ غصہ دلاتی تھی۔ وہ اکثر باتیں یونہی ادھوری چھوڑ دیتا تھا لیکن کچھ بھی تھا ہلال اسے بہت عزیز ہو چکا تھا۔

☆☆☆

”اذان! تم ایم بی کے بعد کیا کرو گے۔“
”جواب۔“
”کہاں؟“

”سعد ہے میرا فرینڈ، اس کے پاپا کی کہنی ہے۔ وہ بھی پیپرز کے بعد جوائن کرے گا تو میں بھی اس کے ساتھ ہی جوائن کروں گا اور تم کیا کرو گے ہلال؟“

”پتا نہیں۔“ ہلال مسکرایا تھا۔
”اگر تم چاہو تو میں سعد کے پاپا سے تمہارے لیے بات کروں۔“

”میرے لیے؟“ وہ چونک کر اذان کی شکل دیکھنے لگا۔

”ہاں تو ایم بی اے کے بعد تم بھی تو فیل ہائیم جاب کرو گے ناں۔“ اس نے کہا تو ہلال نے ایک پل کے لیے اسے دیکھا اور پھر ہنستا چلا گیا۔ اتنا ہنسا کہ اس کی آنکھوں سے پانی آنے لگا جبکہ وہ حیران

”طبیعت کیسی ہے اب۔“ ہلال اس کے قریب چلا آیا۔ امام کے اشارے پر ملازمہ نے جھولا روک دیا۔

”ٹھیک ہے۔“

”ساری رات یہاں کیوں گزاری تھی تم نے۔“ ہلال نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ بے حد نزاکت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر جھولے سے اتاری بھی اذان بے اختیار مسکرایا امام کا ہر انداز دیکھ کر اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ سچ مچ مغلیہ دور کی شہزادی ہو یا پھر وہ کوئی فلم دیکھ رہا ہو۔

”ہلال تجھے ڈر لگ رہا ہے۔ آپ نے اچھا نہیں کیا۔“ اس کا لہجہ خوف سے پر تھا۔

”پلیز امام میں بہت اچھے موڈ میں ہوں میرا موڈ خراب مت کرو۔“ وہ بے زار ہوا تو وہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی پھر ڈنکر کے اذان اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ رات کچھ گہری ہوئی تو کچھ عجیب سی آوازوں پر اس کی آنکھ کھلی چند لمحوں تو وہ یونہی پڑا ان آوازوں کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا اور اگلے لمحوں وہ اچھل کر بیٹھا کیونکہ یہ آوازیں فائرنگ کی تھیں۔ وہ تیزی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

”فوراً اس طرف سے جاؤ۔ اس طرف سے نکلو احتیاط سے نکلنا، شور نہ ہو۔“ ہلال کے بابا سامنے صوفیے پر بیٹھے ہوئے تھے پورے ہال میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ہر چہرے پر خوف تھا سوائے تین چہروں کے ”ہلال“ غصے میں تھا۔ بابا کے چہرے پر تکلیف تھی خوف نہیں اور امام شاید کسی پتھر کی مورٹی پر بھی کوئی رنگ ہوتا ہو گا مگر وہ لڑکی بالکل بے رنگ تھی، وہ اسی جھولے پر موجود تھی۔

”اذان۔“ ہلال کی نظر اس پر پڑی تو وہ چونک گیا۔

”بختاور! اذان کو شہر جانے والی گاڑی میں بٹھا دیتا۔“ ہلال نے کہا۔

”کیا ہوا ہلال؟“ وہ قریب آ گیا۔

”کل میری بہن کی شادی ہے، اسے رکوانے کے لیے میرے چچا کے بیٹے نے حملہ کر دیا ہے۔ باہر کھڑے ہمارے ساتھی ان سے تعداد میں کم ہیں وہ لوگ کسی وقت بھی اندر آ سکتے ہیں۔ اسی لیے ہم موجود ملازموں کو محفوظ جگہ پہنچا رہے ہیں۔“ ہلال نے سپاٹ لہجے میں تفصیل سے بتایا تو اس کے لب بھنج گئے۔

”جاؤ اذان! تم بختاور کے ساتھ۔“

”اور تم۔“

”میں کیسے جا سکتا ہوں بابا اور امام کو چھوڑ کر۔“ ہلال چونکا۔

”تو میں کیسے چلا جاؤں تمہیں چھوڑ کر۔“

”اذان پلیز۔ یہاں تمہاری جان کو خطرہ ہے۔“

”اور تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے کیا؟“ وہ دو بدو بولا۔

”میری جان اپنوں کے لیے جائے گی۔ مجھے افسوس نہیں ہو گا تم کیوں پس رہے ہو یہاں۔۔۔۔۔ تم فوراً نکل جاؤ یہاں سے۔“ ہلال چیخا اٹھا۔

”تم بہت برے ہو ہلال! ہمیشہ مجھے غیر کر دیتے ہو۔ ابھی تم نے مجھے سمجھایا نہیں۔“ وہ بھی چیخ پڑا۔ بابا اور امام نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

”پہلے تمہیں لگا، تمہاری دولت کے بارے میں جان کر میں تم سے بے غرض دوستی نہیں کر سکوں گا اور اب تمہیں لگتا ہے میں تمہیں ان حالات میں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔“

”اذان پلیز چلے جاؤ یہاں سے۔“ ہلال نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

”صاحب! ہم لن کا مقابلہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ آپ فوراً بڑے صاحب کو لے کر یہاں سے چلے جائیں۔“ اسی لمحے ایک شخص اندر آیا۔

”میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“

”ہلال۔“ امام بھاگ کر اس سے آگے چلے گئے۔

پریشان ہو کر اسے دیکھتا یا ر بار پوچھتا رہا۔
 ”ہلال! کیا ہوا تمہیں..... ہلال! کیا ہوا؟“
 مگر وہ بتا جواب دے نہ سکا گیا۔
 ”اذان میں پندرہ دن کے لیے ہنزہ جا رہا ہوں۔“
 ”کچھ دیر بعد اس نے کہا۔“
 ”پہلے تم یہ بتاؤ تم اتنا جس کیوں رہے تھے؟“
 وہ فوراً بولا تو ہلال پھر نہیں دیا۔
 ”ہلال! پلیز، بتاؤ ناں کیا ہوا؟“
 ”بتاؤں گا.....! سب کچھ تمہیں ہی بتاؤں گا۔“
 وہ پھر اسی گھرے لہجے میں بولا جس سے اذان الجھ سا جاتا تھا اس لمحے ہلال کی آنکھیں، اس کا لہجہ اس راز کو عیاں کرتا تھا جسے شاید ہلال کہتا نہیں چاہتا تھا۔ اذان اسے دیکھتا رہا۔
 انیسویں سے بہت جلد ہلال کا سامان اذان کے کمرے میں آگیا تھا۔ سو ہلال نے اپنی پیکنگ شروع کر دی اور دوسرے دن وہ چلا گیا اور اذان کو لگا جیسے یکدم سب خالی ہو گیا ہو اسے اس قدر اکیلے پن کا احساس ہوا کہ وہ خود بھی پریشان ہو گیا۔ ہلال نے وہاں پہنچ کر خیریت کا فون کیا تھا۔
 ”ہلال! واپس کب آ رہے ہو؟“
 ”بھائی میرے، ابھی تو میں یہاں پہنچا ہوں۔ یہاں بھی سب خفا ہیں۔“
 ”تم واپس آؤ گے؟ یہ بتاؤ۔“
 ”کیا ہوا خیریت تو ہے ناں اذان! سب ٹھیک تو ہے گھر میں سارہ، اریب، آنٹی۔“ ہلال یک دم پریشان ہوا تو اسے اپنی جذباتیت پر غصہ آیا۔
 ”ہاں یا سب خیریت ہے بس تم بہت یاد آ رہے ہو۔“ اذان نے کہا۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔
 ”ہوں! اپنا خیال رکھنا۔“ ہلال نے کہا اور فون بند کر دیا۔

☆☆☆

دوسرے دن سعد نے بتایا کہ اس کے پاپا نے ان دونوں کو بلایا ہے تو یونورسٹی سے وہ دونوں سعد

کے پاپا کے آفس گئے۔
 ”تم لوگوں کے لیے ایک چٹخ ہے۔ دیکھتے ہیں تم لوگ کراپا تے ہو یا نہیں۔“ سلام دعا کے بعد اس کے پاپا نے کہا تھا۔
 ”جی ہاں! بولیں۔“
 ”تم لوگوں کے پیچہ زکب سے ہیں۔“
 ”دوسرے ہیں۔“
 ”او کے پھر تو کام تم لوگوں کو دیا جاسکتا ہے۔“ انہوں نے سر ہلاتے ہوئے ایک فائل ان کی طرف بڑھائی۔
 ”ایک اسپتال کا پراجیکٹ ہے میں چاہتا ہوں یہ ہمیں مل جائے۔“
 ”پاپا! یہ تو خان انکل کا پراجیکٹ ہے وہ یہ اسپتال بنوا رہے ہیں۔“
 ”ہاں۔“
 ”تو آپ ان سے ڈائریکٹ بات کیوں نہیں کر لیتے۔“
 ”میں نے اس سے بات کی تھی۔ اس نے کہا کہ اس کے بیٹے کو مطمئن کیا جائے اپنے کام سے جب عیاں یہ پراجیکٹ ہمیں مل سکتا ہے۔“
 ”اور اسے کیا پرابلم ہے؟“ سعد نے تیوری چڑھائی تھی۔
 ”دھیرج بیٹے! یہ بزنس ہے۔ آپ کا دوست ہونے کے باعث وہ آپ کو کروڑوں روپیہ نہیں دے سکتا، آپ کو اسے مطمئن کرنا ہوگا۔“
 اس کے پاپا مسکرائے جبکہ اذان اس دوران فائل پڑھتا رہا وہ جو بھی کوئی تھے بے حد امیر تھے۔ اس کا اندازہ اس فائل سے ہو رہا تھا یہ دس کے قریب اسپتال مختلف — گاؤں میں بنوانے کا پراجیکٹ تھا۔
 ”او کے پاپا! میں اس سے ملتا ہوں۔“
 ”ابھی تو وہ امریکہ گیا ہوا ہے جوئی آئے گا۔“
 ”میں تمہیں اطلاع کر دوں گا۔“
 ”او کے پاپا۔“ سعد وہ فائل اٹھا کر اپنے پاپا

کے کمرے سے باہر آ گیا۔
 ”اذان! کئی دن میں تمہیں غلیل انکل کے گھر لے کر چلوں گا یوں سمجھو کہ آج ہم جو کچھ بھی ہیں ان ہی کی بدولت ہیں تم دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ گھر ایسا کہ بندہ اس کی بھول بھلیوں میں گم ہو جائے قدم قدم پر ہاتھ باندھے حکم کی تعمیل کے لیے کھڑے ملازم۔ ان کے بینک بیلنس اتنے ہیں کہ خود انہیں نہیں پتا مگر عروذر سا سچا نہیں۔ اتنی عاجزی و انکساری کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ یقین کرو اذان کہ پاپا کہتے ہیں۔ جتنا ہم سال میں کماتے ہیں۔ وہ ہر ماہ اتنا صرف صدقہ خیرات کر دیتے ہیں۔“

سعد ان سے مرعوب تھا۔ وہ بھی مشتاق ہوا ان لوگوں کو دیکھنے کے لیے پھر ساتویں دن سعد کے پاپا نے خان انکل کے آنے کا بتایا تو سعد اس کے آفس لے آیا۔ آفس دیکھ کر اذان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی وائٹ پیس میں آ گیا ہو، ہر چیز میں سفید رنگ نمایاں تھا۔

”سعد! بیک وقت دس جگہوں پر اسپتال بنانے سے تمہاری کمپنی کو کوئی نقصان تو نہیں ہوگا اور وہ جگہیں مکمل طور پر سہولتوں سے محروم ہیں۔ ایک بار پھر سوچ لو۔“ وہ اس کے پاپا کی کمپنی کو جوائن کر چکا تھا۔

”ڈونٹ وری یار! ایسا کچھ نہیں ہوگا۔“ سعد مسکرایا۔

”سر! آپ کو اندر بلارہے ہیں۔“ کی آواز پر وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

”آؤ اذان! اچھی طرح اپنا موقف بیان کرنا گھبرانا مت۔“

”پاگل ہو گئے ہو، میں کیوں گھبرانے لگا۔“ اسے سعد کا اس طرح کہنا برا لگا۔ وہ دونوں اندر آ گئے اس کا روم پورے آفس سے زیادہ شان دار تھا اتنا بڑا روم تھا کہ ایم ڈی کو تلاش کرنا پڑا کیونکہ وہ سامنے نہیں تھا۔ وہ سائیڈ سے ایک ٹیبل کے پیچھے سے والہانہ سعد کی طرف بڑھا تھا۔ اذان سانس نہ لے سکا۔ سعد نے

کہا تھا ”گھبرانا مت“ تب اسے یہ بات ناگوار گزری تھی لیکن اب وہ کچھ کہنے کے قابل نہ رہا تھا۔ وہ صرف دیکھ رہا تھا، سننے بولنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی تھی۔ وہ لوگ سینئر ٹیبل کے گرد بڑی کرسیوں پر آ بیٹھے سعد ہی باتیں کرتا رہا۔ دو ایک بار سعد نے اسے بھی شامل کرنا چاہا تھا مگر وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ صرف اس شخص کو دیکھ رہا تھا جو بے حد دولت مند تھا اتنا دولت مند کہ اسے خود اپنی دولت کی خبر نہ تھی، سعد جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

”او کے ہلال حسن! گڈ بائے۔“ اذان نے سخت لہجہ میں بتا اس سے ہاتھ ملائے کہا تھا۔

اس نے ہلال حسن کو نہیں بلکہ اپنی اور اس کی دوستی کو بھی گڈ بائے کہہ دیا تھا۔ اسے ہمیشہ جھوٹ سے نفرت رہی تھی، وہ نقصان اٹھالیتا تھا مگر جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

جس وقت وہ جلتا کڑھتا گھر پہنچا تو ہلال حسن گھر پر موجود تھا۔

”السلام علیکم۔“ سلام کرنے میں ہمیشہ ہلال اس سے سبقت لے جاتا تھا اسے اعتراف تھا۔

”کیوں آئے ہو تم یہاں؟“

”سلام کے جواب میں ایسا کب سے کہنے لگے؟“ اس کے غصے سے متاثر نہ ہوا۔

”بکو اس مت کرو اتنے کنگال ہو کر رہنے کو گھر بھی نہیں ہے تمہارے پاس۔ بولو کیوں یہ ڈرامہ کرتے رہے، کیوں جھوٹ بولا؟“ وہ چیخ اٹھا۔

”پتا ہے اذان جب بہت دولت آپ کے پاس ہوتی ہے ناں تو آپ بے غرض لوگوں سے دور ہوتے ہیں۔ تم نے سعد کو دیکھا، وہ میرا دوست ہے لیکن جس بات سے میں مطمئن نہیں وہ مجھے وہی کرنے کے لیے کہہ رہا ہے کیونکہ اسے پرافٹ ہی پرافٹ ہے۔ اذان! ہمارے بابا لوگوں کی بہت مدد کرتے ہیں اور وہ لوگ ہمیں دعائیں دیتے ہیں لیکن ان کی دعاؤں میں بھی غرض ہوتی ہے۔ ہماری سوسائٹی کے لوگ ہم سے بہتر سے بہتر تعلقات

بنائے رکھتے ہیں ان کی غرض ہماری دولت ہوتی ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ آپ سے کوئی محبت کرے کوئی صرف آپ کی ذات سے محبت کرے اور جب تمہیں میں نے پی سی میں دیکھا تو مجھے لگا مجھے تم سے دوستی کرنی ہے اور وہ بھی بے غرض دور کا۔

”میں تمہارے پاس گیا میں نے بھی جھوٹ نہیں بولا لیکن اس دن ہنزہ اور بابا کے علاوہ سب جھوٹ کہا۔ تم نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔“

”اگر میں اس سے اپنا سچ تعارف کرواتا تو وہ ضرور رابطہ کرتا۔“ میں بدگمان ہونے لگا۔ جب ہی تم نے فون کیا بات پھر اسی غرض کی تھی اور یہ ”غرض“ مجھے پسند نہیں اسی لیے تمہارے گھر نہیں آیا پھر تم ملے اور ملنے لگے۔ اس میں تمہاری کوئی غرض نہیں تھی۔ تمہارے لیے میں اہم تھا، میری دولت کا تمہیں پتا بھی نہ تھا۔

”جانے کب اذان کو میری اصلیت پتا چل جائے اور میں اس بے غرض دوستی سے محروم ہو جاؤں مجھے زیادہ سے زیادہ وقت اذان کے ساتھ گزارنا ہے۔“

تمہارے معاملے میں جودل کہہ رہا تھا میں مان رہا تھا۔ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں میں یہ نہیں کہوں گا۔ کہ میں نہیں جانتا۔ میں انجان نہیں ہوں اس بات سے کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ میری ایک مجبوری ہے اذان! جس نے مجھ سے یہ سب کروایا۔ لیکن تمہیں جان لینے کے بعد وہ میری سب سے بڑی خوشی ہے۔ آئی ایم سوری اذان! تم ہرٹ ہوئے۔“

”اذان! باہر آؤ بیٹا! ڈنر لگ گیا ہے۔“ کچھ دیر بعد ماما کی آواز آئی تو وہ باہر نکل آیا تھا ماما اریب اور سارہ اس کے خنجر تھے۔

”ہلال کے گھر میں تو سب ٹھیک ہے ناں۔ اتنی ایرجنسی میں چلا گیا وہ۔“ ماما نے کہا تو وہ بیٹھے بیٹھے

یکدم چڑنکا۔ چند لمبے قبل اس نے ہلال سے دوستی ختم کر دی ہے۔ وہ واقعی بھول گیا تھا۔ وہ تو اس کے آنے کا خنجر تھا۔ ہلال کھانا کھائے بغیر چلا گیا تو اذان سے لقمہ حلق سے اتارا نہ جاسکا۔ اس نے جھنجلا کر پلیٹ پیچھے سرکا لی۔

”ماما! آپ جانتی ہیں، جیسا وہ ہم پر ظاہر کر رہا تھا وہ دیا نہیں ہے۔“ پھر اس نے ماما کو ہلال کے بارے میں بتایا ماما بھی چپ سی ہو گئیں جبکہ اریب اور سارہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہے تھے۔ صبح وہ ناشتے کے بغیر گھر سے نکلا، سارا دن اسے بھوک نہ لگی۔

”اب تم اس سے اپنی دوستی ختم کرو گے یا نہیں۔“ وہ سارہ کو ڈنر کے لیے انکار کر چکا تھا جب ماما اس کے روم میں آئیں۔

”میں اس سے اپنی دوستی ختم کر چکا ہوں ماما۔“

”اور کھانا پینا کب شروع کرو گے۔“

”مجھے فی الحال بھوک نہیں ہے، تھوڑا کام ہے پھر۔“ وہ رخ موڑ کر لیپ ٹاپ پر مصروف ہو گیا۔ ماما نے اسے دیکھا، وہ ٹھیک نہیں تھا وہ بالکل ٹھیک نہیں تھا۔

”وہ خاموشی سے پلیٹ لگی تھیں اور اس نے جینکے سے لیپ ٹاپ بند کر دیا کیونکہ اس پر لکھا ہر لفظ دھندلا رہا تھا وہ ایک ان دیکھی تکلیف میں مبتلا تھا۔ دو دن بعد ہی سعد نے نوٹ کر لیا۔

”آر یو او کے اذان! میں ایک دو دن سے دیکھ رہا ہوں تم کچھ پریشان ہوں۔“

”اکیس کوئی بات نہیں ہے۔“ اس نے سعد کی لائی فائل چیک کرنے کے لیے اپنی طرف کھسکالی۔

”تمہاری شکل دیکھ کر کوئی اجنبی بھی کہہ سکتا ہے۔ تم پریشان ہو، میں تو تمہارا دوست ہوں مجھے بتانا نہیں چاہتے تو الگ بات ہے۔“ وہ دونوں آنس میں تھے۔

”میں پریشان نہیں ہوں۔“ اس نے سختی سے کہا تھا۔

سعد اٹھ کر چلا گیا پھر وہ فائل اس نے تھوڑی دیر بعد بجوا دی اور کچھ دیر بعد سعد وہ فائل لے کر آگیا۔

”اس میں ایک دو جگہ غلطیاں ہیں اور اس کے باوجود تم نے اسے کیئر کر دیا۔“ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا اور اس کا جی چاہا، وہ اٹھ کر دیوار میں سر دے مارے۔

”سوری سعد! میں کچھ پریشان ہوں۔“ وہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں جانتا ہوں۔“ سعد نے کہا وہ چونک گیا۔

”پریشانی کیا ہے۔“ شیر کر دے۔“

”سعد! میں گھر جانا چاہتا ہوں۔“ وہ نظر چرا گیا۔

”اد کے۔“ سعد نے کہا تو وہ گھر آگیا تھا۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا وہ ریڑرو طبیعت کا مالک تھا مگر بد اخلاق نہیں اور آج وہ کسی کو بھی سلام کیے بنا اپنے کمرے میں آگیا پیچھے سب حیرت زدہ رہ گئے۔

”اذان۔“ ماما کمرے میں آئیں تو اسے قالین پر بیٹھے اور بیڈ پر سر رکھے دیکھ کر غصے میں آگئیں۔

”کس کا سوگ منار ہے ہو؟“

”ماما!“ وہ چونک کر سیدھا ہوا تھا، اس کی سرخ دسو جی آنکھیں دیکھ کر ماما کا دل ڈوبا۔

”باہر سب تمہارے انتظار میں ہیں۔“ سعد کے آفس سے تم دو پہر کو نکل گئے تھے پھر اتنی دیر سے گھر آئے ہو۔ موبائل آف تمہارا اور اب یوں سب کو سلام دعا کیے بغیر اپنے کمرے میں آئے۔ تمہاری یہ سوچی آنکھیں، یہ اتر چہرہ تمہیں نظر نہیں آتا مگر باقی سب اندھے نہیں ہیں۔“ وہ غصے میں بولتی چلی گئیں۔

”ماما! میں نے سلام کیا تھا۔“ اس نے بے چارگی سے انہیں دیکھا۔

”وہ تمہارے غی کانوں تک پہنچا ہوگا وہاں بیٹھے لوگوں کی سماعت اس سے محروم رہی ہے۔“ انہوں نے طنز یہ کہا۔

”آپ چلیں، میں آتا ہوں۔“ اس کے

چہرے پر لکھا تھا، وہ بحالت مجبوری کھڑا ہوا ہے۔

”اگر اس کی کوئی بات بری لگی تو معاف کر دو اسے۔“ وہ دانش روم کی طرف بڑھا تھا ماما کی آواز پر جھٹکے سے پلٹا۔

”نام مت لیجیے ہلال کا، دنیا ایک اس شخص پر ختم نہیں ہوگئی ہے۔“

”ہاں.....! دنیا اس ایک شخص پر ختم نہیں ہوئی ہے مگر تمہاری ہوگئی ہے۔“ وہ اسے شرمندہ کرنی نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئیں۔

”شٹ اپ ہلال، شٹ اپ! مت یاد آؤ اتنا۔“ اس نے ٹیبل پر رکھا گلدان اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا اور دوسرے دن وہ آفس میں تھا۔

”وہ مجھے یاد بھی نہیں کر رہا ہوگا اور میں نے اس کے لیے اپنے سے وابستہ لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔“

”آج نہیں آتے، طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے مجھے تمہاری۔“ سعد نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

”آئی ایم فائن۔“ وہ جیسر تھکیت کر بیٹھ گیا تھا۔ بمشکل اپنے ذہن کو کام کی طرف راغب کر پایا تین گھنٹے بعد ٹائم آف ہونے پر وہ اٹھ گیا۔

”اذان ذرا مجھے ایک جگہ ڈراپ کر دو۔“ میری گاڑی خراب ہے۔“ سعد نے کہا تو اس نے چابی سعد کی طرف بڑھا دی۔ سعد نے اس کی اتری اتری شکل دیکھی اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا تھوڑی دیر بعد جہاں گاڑی رکی۔ اذان چونک گیا۔ وہ حسن انڈسٹری بھی۔ اس کے لب بچھ گئے۔

”مجھے سعد سے دوستی چھوڑنی پڑے گی۔ کیونکہ اس کا رابطہ ہمیشہ ہلال سے رہے گا۔“

”آؤ اذان! ہلال سے ملنے چلتے ہیں۔“

”تمہیں یہاں آنا تھا تو مجھے پہلے بتاتے۔“ وہ جھنجلا گیا۔

”میں یہاں کون سا اپنی خوشی سے آیا ہوں۔“ وہ اس سے زیادہ جھنجلایا ہوا تھا۔

”میں تو صرف اس سے یہ پوچھنے آیا ہوں کہ

”اوہ تم کسی لڑکی کے لیے یہ سب کر رہے ہو۔“

سعد تو اچھل پڑا۔

”کاش یہ سب کسی لڑکی کے لیے کر رہا ہوتا۔“

ہلال کے چہرے پر شرارت کی چمک ابھری، اذان نظر میں چلا گیا۔

”تمہیں سمجھانا فضول ہے۔ چلو اذان! اس کے ساتھ رہے تو ہم بھی پاگل ہو جائیں گے۔“ سعد گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا چکا تھا۔

”اذان! بیٹھو۔“ سعد نے گاڑی اشارت کر دی تھی وہ کسی بت کی طرح ساکت اسے تنک رہا تھا۔

”میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا اور اس کی معافی اس وقت مانگوں گا جب کنکال جاؤں گا۔“ وہ کہہ کر پلٹ گیا۔ سعد تک یقیناً ہلال کی آواز نہ پہنچی ہوگی پھر سعد کو ڈراپ کر کے وہ جس وقت گھر پہنچا تو حیران رہ گیا ان کے پورچ میں جو گاڑی کھڑی تھی وہ ان کے خاندان میں کسی کے پاس نہ تھی اور جس مالیت کی تھی وہ خریدنی بھی مشکل تھی وہ الجھتا ہوا اندر آیا تھا۔

”آئی! جلدی کریں اگر آپ کا بیٹا آ گیا ناں تو لچ کے بجائے مجھے دھکے کھانے پڑیں گے۔“ وہ جو بچن سے بولا ہوا نکل رہا تھا۔ اذان کو دیکھ کر رک گیا۔

”ہلال! تم سارہ اور اریب کو بلا لو۔“ ماما بچن سے بولی تھیں۔

”ماما اذان کے لیے بھی لائے کھانا۔“ وہ ہلال سے اور نہیں لڑ سکتا تھا۔ وہ اس کے لیے خود کو تباہ کر رہا تھا۔ اذان اس سے ناراض ہوئی نہیں سکتا تھا۔

ماما اس کی آواز پر باہر آئیں، گھبرا کر انہوں نے ہلال کو دیکھا۔

”تم کب آئے؟“ اذان نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھے ہوئے نارمل انداز میں پوچھا تھا۔

”روز آتا ہوں لچ کرنے۔“ اس نے پلیٹس ٹیبل پر رکھی تھیں اس کے جواب پر ماما نے پلٹ کر دیکھا اذان کو اور مسکرا کر بچن میں گھس گئیں پھر انہوں

میرے ساتھ بزنس میں ایک پرسنٹ کا نقصان برداشت نہ رکھنے والا ہلال حسن اپنا پورا بزنس کسی کے نام کیے کر سکتا ہے۔ آخر ہے کون وہ۔ پتا ہے ہلال نے کہا کیا۔ اس نے کسی کے ساتھ پارٹنرشپ کر لی ہے اگر ہلال کو کچھ ہو جائے تو سب کچھ اس کے پارٹنر کا ہوگا لیکن اگر اس کے پارٹنر کو کچھ ہوا تو اس کا حصہ اس کی فیملی کو ملے گا۔ میں ہلال کے پارٹنر کو دیکھنا چاہتا ہوں جو اسے اپنی فیملی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔“

سعد کی بات سن کر وہ بھونچکا رہ گیا۔ سعد اتر کر اندر چلا گیا۔ وہ گاڑی سے اتر آیا وہ اسے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ہلال حسن کو سوچتا نہیں چاہتا تھا مگر وہ اسے سوچ رہا تھا۔

”ہلال! کیوں خود کو یوں نقصان پہنچا رہے ہو۔“

”اذان۔“ اس نے چونک کر اپنے دائیں طرف دیکھا۔ ہلال حسن اس کے قریب ہی کھڑا تھا اس نے واپس سامنے دیکھا سعد آ رہا تھا ہلال نے اس کے تعاقب میں دیکھا۔

”تم یہاں کھڑے ہو، اندر گیا تو پتا چلا کہ تم جا چکے ہو۔“ سعد اب قریب آچکا تھا۔

”کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کیوں اپنا نقصان کر رہے ہو۔“ سعد غصے میں تھا اور ہلال کی نظریں اذان پر سے نہ ہٹ رہی تھیں۔

”میں کنکال ہونا چاہتا ہوں۔“ اذان چونک گیا۔

”پوچھ سکتا ہوں کیوں؟“ سعد چڑ گیا اذان بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ اذان کو اس کے چہرے پر وہ کیفیت نظر نہ آئی تھی جو اس کی اپنی تھی۔

”ایک شخص ہے، میری دنیا اس پر ختم ہوتی ہے پر وہ مجھ سے اس لیے دور ہے کہ میرے پاس دولت ہے، شاید کنکال ہو جاؤں تو وہ پھر میرے قریب آ سکے۔“

اس نے لمبے بھر کے لیے بھی نظر اذان کے چہرے پر سے نہ ہٹائی تھی، اذان سانس نہ لے سکا۔

نے خاموشی سے لُج کیا تھا۔

”تمہیں پتا ہے ہلال! تم کتنے برے ہو۔“ وہ کافی بنا کر لایا تھا۔

”آج سے پہلے نہیں پتا تھا۔“ اس نے کپ تھاتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”ایسی فضول پارٹنر شپ کرنے کی تمہیں ضرورت کیا تھی۔“

”تمہیں پسند نہیں ہے ناں میرا دولت مند ہونا۔“

”تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا مجھے پرابلم یہ ہے۔“ وہ چڑ گیا۔

”بس مجھے اچھا لگتا ہے، میں تم سے جھوٹ بولوں۔“ وہ شرارتی ہوا۔

”واٹ۔“ اذان نے اسے گھورا تو ہلال ہنس پڑا۔

”اب یہ پارٹنر شپ ختم کر دو۔“ اس نے فکر مندی سے کہا تھا۔

”کون سی پارٹنر شپ..... میرے دوست! میں نے کسی سے پارٹنر شپ نہیں کی یہ سب صرف تمہارے قریب آنے کا ایک بہانا تھا۔“ ہلال نے ہنستے ہوئے اسے آنکھ ماری تھی اس نے بے بسی سے ہلال کے اس نئے جھوٹ کو کھلتے دیکھا تھا۔

”اوکے۔ آئندہ جھوٹ نہیں بولو گے۔“ اذان نے ہار مانی گویا۔

”مجھے اچھا لگتا ہے یار! تم سے جھوٹ بولنا۔“

اور اس بار اذان بے چارگی سے ہنس دیا۔ ان کی دوستی پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئی تھی ہلال پھر بھی ویسا ہی تھا جیسے پہلے تھا۔ وہ ایسے کپڑے پہنتا تھا کہ اذان کے سوٹ اس سے بہتر ہوتے، پہلے تو اذان کو کوئی الجھن نہ تھی پر اب اذان کو حیرت ہوئی تھی کہ اتنا دولت مند ہو کر اتنا سادہ بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ ہلال نے اذان کو اپنی کمپنی لے جانا شروع کر دیا تھا۔ سعد کو پتا چلا تو اسے نہایت ہی حیرت ہوئی۔

ان کی دوستی کو تقریباً ایک سال ہو چلا تھا۔ ہلال

اتنی جلدی کھانا ختم نہیں کرتا تھا جتنی جلدی اس کی چیک بک ختم ہو جاتی تھی۔

”ہلال! میں نے آج تک تمہاری طرح کسی کو اپنا پیسہ اس طرح بانٹتے نہیں دیکھا۔“ تمہیں پتا ہے لوگ تمہیں پاگل بزنس مین کہتے ہیں پر تم لگی مین ہو یار! جتنا لٹاتے ہو اتنا ہی ملتا ہے۔“

”تم نہیں جانتے اذان! میرے جیسے بہت سے ہیں۔ میرے بابا سے ملو تمہیں لگے گا میں تو کچھ دیتا ہی نہیں ہوں کسی کو، اور میں پاگل نہیں بہت عقل مند ہوں کیونکہ میں نے اللہ سے تجارت کی ہے۔ میں اس کے لیے ایک دیتا ہوں وہ مجھے ستر لوٹاتا ہے۔ مجھے اللہ سے محبت ہے، میں اس سے کہتا ہوں مجھے تجھ سے محبت ہے، اس لیے تیری رضا پانے کے لیے اس بندے کو دے رہا ہوں اور وہ کہتا ہے میں تو ستر گنا تجھے چاہتا ہوں پھر وہ مجھے ستر گنا زیادہ لوٹاتا ہے۔“

وہ ایک جذب سے اپنے رب عزوجل سے محبت کا اظہار کر رہا تھا اور اذان دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ بیچ وقت نمازی تھا۔ اذان اس کی سنگت میں نمازی ہو گیا تھا وہ اس کی طرح بہت سا تو اللہ کے لیے نہ دے پاتا تھا مگر اپنی کمائی کا ایک حصہ ضرور وہ اللہ کی رضا کے لیے دے دیتا تھا۔

☆☆☆

”اذان! میں ہنزہ جا رہا ہوں۔“ ایک فائل چیک کرتے ہوئے ہلال نے کہا تھا۔ تم چلو گے میرے ساتھ۔“

”تم لے کر چلو گے۔“ اذان نے کہا تو ہلال نے اسے اپنے اسی مخصوص انداز سے دیکھا جس سے اذان الجھ سا جاتا تھا۔

”ہلال! تم مجھے اس طرح کیوں دیکھتے ہو۔“ اس کے لہجے میں ایک بے چینی سی محسوس کر کے ہلال مسکرا دیا۔

”اذان! تمہیں پتا ہے تم کتنے خوب صورت ہو اور اللہ جب کسی کو اتنا حسن دیتا ہے تو اسے ایک چاہنے والا بھی دیتا ہے جو اس کے لیے اپنی جان کی

بھی پروا نہیں کرتا۔ کیا تمہیں ایسا کوئی چاہنے والا ملا ہے۔“ ہلال نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور وہ جانتا تھا کہ ہلال کچھ نہیں کہے گا اپنی ان راز بتاتی آنکھوں کے لیے سو وہ چپ ہو گیا۔

”رمضہ، وہ میری نیا کسی ہے ناں۔“ اس نے کہا تو ہلال ہنس پڑا۔

”اوہ کم آن اذان..... وہ لڑکی رمضہ ہرگز بھی تم سے محبت نہیں کرتی کیونکہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کے کتے بھی اچھے لگتے ہیں جبکہ رمضہ تو تمہارے بہن بھائی کو بھی برداشت نہیں کرتی۔“ اس بات سے تو وہ خود بھی واقف تھا۔

”کیا تم اس سے محبت کرتے ہو۔“

”وہ بہت اچھی ہے نو سال ہو چکے ہیں ہمارے اس رشتے کو بڑے میرا وہ بہت خیال رکھتی ہے اور مجھے بھی اس کا بے حد خیال رکھنا ہے۔“

”میں نے محبت کا پوچھا ہے اذان۔“ اس نے اذان کی بات کاٹ دی اور وہ سوچ میں پڑ گیا۔

”اذان! محبت کھوں پر محیط ہوتی ہے اسے جنم لینے کے لیے صدیوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ایک بلی جس میں کوئی سیدھا ہماری آنکھوں کے رستے دل میں اتر جائے وہ اچھا ہے یا برا، ہمارا ہو پائے یا نہیں یہ سب لائسنسی باتیں جانے بغیر دل کا درد اذہ بند کر دیا اسے محبت کہتے ہیں۔“ وہ کہتا رہا اور اذان اس کی شکل دیکھے گیا۔

”اب جلدی سے پکٹنگ کر لو صبح ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔“ اس کا کھویا کھویا لہجہ یک دم ہی نارمل ہو گیا تو اذان گہرا سانس لے کر مانا کو بتانے کے لیے چل دیا۔ ہنزہ پہنچ کر اسے یقین نہ ہوا کہ وہ پاکستان میں اتنی ٹھنڈ ہے کہ پانی جم رہا تھا۔

”ہلال لگ رہا ہے میں انٹارکٹیکا آ گیا ہوں۔“ اس کی بات پر ہلال ہنس دیا جس وقت وہ لوگ ہلال کے گھر بلکہ اس کے محل میں پہنچے اس وقت عصر کا ٹائم ہو رہا تھا۔ اس کا لان اذان کے گھر سے بہت بڑا تھا، اس کی حدنگاہ محل کی عمارت تھی۔

”خان بابا! ہمارے والد بزرگوار کہاں ہیں؟“ ہلال کی آواز پر اس نے چونک کر ہلال کی طرف دیکھا۔ وہ کسی بوڑھے شخص کے گلے لگا ہوا تھا پھر اذان نے انہیں سلام کیا۔

”یہ میرا دوست ہے۔“ ہلال نے تعارف کروایا۔

”اذان! یہ میرے بابا کے خاص مگراں ہیں۔ بابا کی ہر چیز کا یہی خیال رکھتے ہیں۔“ وہ بہت محبت سے اس ملازم کا تعارف کروا رہا تھا۔ ہلال کی اس محبت سے اذان مرعوب ہوا پھر ان کے بتانے پر وہ اپنے بابا کی طرف بڑھ گیا وہاں پر سنگ مرمر سے بنی بیچ اور کین کی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور وہاں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔

”السلام علیکم بابا۔“ ہلال جس شخص کی طرف بڑھا تھا اذان اس کی سادگی پر حیرت سے لگ رہا گیا کیونکہ ہلال کی سادگی کو دیکھنے کے باوجود تصویر اس نے ہلال کے بابا کا بنا رکھا تھا وہ اس سے قطعی مختلف تھے۔ سفید رنگ کا کرتا شلوار اور سر پر عمامہ باندھے وہ بہت بارعب لگ رہے تھے۔

”بابا کی جان۔“ انہوں نے ہلال کو پہنچایا تھا۔

”السلام علیکم۔“ ان کی نظر اذان کی طرف اٹھی اور پھر پلٹنا بھول گئی۔

”بابا! یہ میرا دوست ہے اذان جنید۔“ انہوں نے ابھی تک اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا اور وہ جس طرح اذان کو دیکھ رہے تھے اذان کو لگ رہا تھا وہ ہلال کو نہیں سن رہے۔

”بابا آپ اپنا کام نمٹائیں جب تک میں بلی سے ملوں۔ مغرب تک فارغ ہو جائے گا میں کل اذان کو ہنزہ گھمانے کے لیے لے کر جاؤں گا۔ آپ کل تک میرے ساتھ رہیں گے۔“ وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا بابا نے ایک گہرا سانس لے کر اذان پر سے نظر ہٹائی تھی۔

”شرم کرو ہلال! اب بڑے ہو گئے ہو۔ بہن کو بلی کہنا چھوڑ دو۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا تو اذان نے

چونک کر ہلال کو دیکھا اور ہلال جیسے ہوئے اس کا ہاتھ
تھام کر آگے بڑھ گیا۔

”ہلال! تمہاری بہن بھی ہے، تم نے اس سے
پہلے تو نہیں بتایا۔“ اس نے کہا اور ہلال یک دم رکھا تھا
چند لمحوں کے بعد وہ اسے دیکھے گیا۔ اسے ہلال کی نظر سے
ہمیشہ انجھن ہوتی تھی۔

”تم بابا کو دیکھ کر سوچ رہے تھے ناں اذان کہ
اتنی دولت ہونے پر بھی اتنی سادگی۔“
”تمہیں دیکھ کر بھی یہی سوچتا ہوں۔“ وہ پھر
چل پڑا، اذان نے اس کی پیروی کی۔

”اذان میری بہن مجھ سے اور بابا سے الگ
ہے اگر مل کر مایوس ہو تو پلیز اسے دل سے برامت
سمجھنا، اصل میں وہ ہماری بہت لاڈلی ہے۔ اس نے
کبھی اس حویلی سے قدم باہر نہیں نکالا۔ وہ جن لوگوں
کے بیچ رہتی ہے، وہ سب اس کے غلام ہیں، اس کی
برابری کی سطح پر یہاں کوئی نہیں ہے۔“ ہلال کی بات
پر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

”اما تم۔“ ہلال نے عمارت کے دروازے سے
اندر داخل ہوتے ہوئے بکا رہا تھا۔ ہر طرف اس کی
آواز کی گونج محسوس ہوتی تھی۔ اذان اپنے استقبال پر
حیران ہوا تھا۔

”سلام صاحب..... سلام صاحب۔“ ہر طرف
سے آوازیں آنے لگیں اندر بڑھتے رہے۔ ان کے
راستے میں پھول بچے تھے اور پر سے بھی کہیں پھول
گر رہے تھے۔ اذان نے ہلال کی طرف دیکھا تھا اس
کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھری تھی گویا یہ سواگت
ہمیشہ اسی طرح ہوتا تھا۔ وہ اب اس سیدھی سی پھولوں
کی لائن میں بہت اندر آگئے تھے۔

”اما تم!“ ہلال نے پھر بکا رہا تھا۔
”السلام علیکم۔“ وہ دونوں ہی دائیں طرف
پلٹے تھے اور اذان کو لگا جیسے وہ کسی حیرت کدہ میں آگیا
ہو یا پھر کسی پرستان میں اور اس پرستان میں گلاب
کے پھولوں سے سجے جمولے پر سفید فرائ اور چوڑی
دار پانچجامہ میں ملبوس وہ کوئی خوب صورت پری تھی یا

پھر یہ کوئی جادو کی بکری تھی جو اسے سب کچھ حسین دکھ
رہا تھا۔

”کیسی ہو ملی؟“
”آپ سے مطلب۔“ اس نے ناک
چڑھائی، پیچھے گھڑی لڑکی اسے دھیرے دھیرے جھولا
دے رہی تھی۔

”لڑائی جھگڑا بعد میں، پہلے میرے دوست
سے ملو، اسے ہنزہ گھونٹنے کا شوق ہوا تو میں اسے
ساتھ لے آیا۔“

”ان کی وجہ سے ہمیں آپ کا دیدار ہوا ہے پھر تو
آپ کے دوست کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے۔“

”ہاں.....! کرو پھر شکر یہ ادا۔“ ہلال مسکرایا۔
”صائمہ! مہمانوں سے پوچھو، ڈنر میں کیا لگیں
گئے۔“ اس کی بات پر ہلال ہنس پڑا۔

”اذان! مجھے یہاں لا کر تم نے جو اس پر
احسان کیا ہے۔ یہ اس کا بدلہ ہے۔“

”اسکا بات نہیں ہے۔ یہ تو ہماری روایات
ہیں۔“ اس نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا لڑکی نے جھولا
روک دیا۔ وہ اتر آئی۔ اذان کے لیے یہ سارا منظر
بے حد دلچسپ تھا کیونکہ وہ واقعی اس محل کی شہزادی لگ
رہی تھی ہلال سے قطعی مختلف۔

”آپ فریش ہو کر آجائیں ہم پھر بات کرتے
ہیں۔“

”اذان! تم کتنے خوش قسمت ہو تمہاری بہن
کیسے تمہارے آگے پیچھے گھومتی ہے اور مجھے دیکھو۔“
وہ جو ایک قدم بڑھا چکی تھی ہلال کی بات پر مزہ کر
دیکھنے لگی۔

”وہ شاید کہیں جا رہی ہیں۔“ اس نے ہلال
والی ٹون اپنائی۔ ہلال ہمیشہ سارہ کی سائینڈ لیتا تھا۔

”وہ کہاں جا رہی ہے۔“ ہلال چونک گیا اما تم
نے بھی حیرت سے دیکھا تھا۔

”وہ تیار ہیں ناں کہیں جانے کے لیے تو۔“ اس
کی ادھوری بات پر ہلال کھکھلا کر ہنس دیا۔

”میں ایسے ہی رہتی ہوں۔“ وہ براہمان گئی اور

اذان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”میں نے کہا تھا ناں..... میری بہن الگ ہے۔“ ہلال نے ہنسی کنٹرول کی۔ وہ حیرت پر ہنسی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

”اصل میں بابا اسے ہمیشہ یونہی سجا سنورا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔“ ہلال نے وضاحت دی۔

”سوری ہلال! اصل میں ہمارے یہاں تو لڑکیاں شادی بیاہ میں ایسی تیار کیا کرتی ہیں۔“ وہ برا مان گئیں۔ ”اذان کو افسوس ہوا۔

”اب ذہن میں رکھنا وہ یہاں کی شہزادی ہے۔“ ہلال نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔ ہلال اسے کمرے میں لے آیا تھا اذان مسکرایا کیونکہ کمرے کی سجاوٹ بھی مغلیہ دور کی تھی۔

”تم جلدی سے فریش ہو جاؤ مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔“ ہلال کہہ کر باہر چلا گیا تھا جب وہ فریش ہو کر باہر نکلا تو ایک ملازم اس کا خطر تھا۔

”صاحب آپ کو باہر بلا رہے ہیں۔“ وہ سر ہلاتا اس کے ساتھ باہر آ گیا تھا۔

”ہلال بیٹا! بہت دن ہو گئے ہیں آپ نے ہمیں کلام پاک نہیں سنایا۔“ نماز کے بعد بابا نے کہا تو ہلال نے فرات شروع کر دی اور وہ چونک گیا۔ ہلال نے بھی بتایا نہیں تھا کہ وہ حافظ قرآن ہے۔

”تم حافظ قرآن بھی ہو اور تم نے بتایا نہیں کبھی۔“

”تم سے تو ابھی بہت کچھ مخفی ہے یار۔“

”ہلال! تم میرے عجیب دوست ہو، میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو لیکن اپنے بارے میں مجھ سے کیا کیا چھپا رکھا ہے۔“ وہ اسے ہلکی سی خفگی سے دیکھنے لگا تو ہلال ہنس دیا اور پھر اٹھ کر چلا گیا اس کے بابا اذان سے باتیں کرنے لگے۔ وہ کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کتنے بہن بھائی ہیں اس نے انہیں تفصیلاً ایک ایک بات بتائی تھی۔

”ہلال کیسا لگتا ہے تمہیں؟“

”وہ اتنا پیارا ہے کہ پیارنے کے علاوہ وہ لگ

بھی کیا سکتا ہے۔“ اس کے جواب پر وہ مسکرائے تھے اتنے میں ملازم کھانا لگنے کی اطلاع لے کر آیا تو وہ اٹھ کر اندر آ گئے۔

”بابا! ہلال کو دیکھیں۔ آتے ہی مجھ سے لڑنا شروع کر دیا۔“ بابا کے بیٹھے کے بعد وہ تینوں بھی بیٹھے تھے ہلال نے بابا کی طرف بریائی کی ڈش بڑھائی تھی۔

”کیا کہہ دیا ہلال نے میری شہزادی کو۔“ بابا نے ڈش واپس رکھی تھی تب تک ہلال نے ان کی پلیٹ میں سلا دو غیرہ ڈال دیا تھا اس کے بعد اس نے اذان کی طرف ڈش سرکائی۔

”وہی سفید روح۔“ وہ زبردست طریقے سے چڑچکی تھی۔ اذان چونک گیا۔ اس کے لفظوں پر نہیں اس کی حرکتوں پر اسے ملازم نکال کر دے رہی تھی وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے چیزیں اٹھانے کے لیے کہہ رہی تھی جس نزاکت سے وہ اشارے کر رہی تھی اذان کو ہنسی آئی تھی اور جس طرح وہ ملازم کھڑی تھی اذان کو لگا وہ ہی لگے اس کے منہ میں ڈالے گی مگر ایسا نہ ہوا والہ اپنے منہ میں اس نے خود ڈالا تھا۔

”اذان! اس محل کو دیکھو مکمل وائنٹ پیلس ہے۔ یہ تو چلو بابا کی ڈیزائننگ ہے مگر اس کے ڈریس دیکھو یہ بھی وائنٹ رنگ کے ہی ہیں۔ تم تو یہی سمجھ رہے ہو گے کہ اس نے کپڑے نہیں بدلے مگر غور کرو اس کا ڈیزائن چمچ ہے۔“ ہلال کی بات پر اذان نے اس پر غور کیا اور مسکرا دیا کیونکہ نہ صرف کپڑوں کا ڈیزائن مختلف تھا بلکہ محلے میں پہنے ڈائمنڈ عینکس کا بھی ڈیزائن دوسرا تھا۔

”اذان پتا ہے ہماری چچی اس سے چڑ کر کیا کہتی ہیں۔“

”سفید روح۔“ اذان نے فوراً کہا تو ہلال ہنس دیا۔ بابا بھی مسکرا دیے جبکہ وہ سر جھکا کر کھانا کھانے لگی خفگی کے تاثرات اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔

”دیکھو اماں! بے چاری چچی کا قصور نہیں تمہیں دیکھ کر ہر کسی کو پہلا خیال یہی آتا ہے۔“

”جی نہیں..... وہ مجھے سفید روح نہیں بدروح کہتی ہیں پتا نہیں کس دل سے تو وہ رشتہ لائی ہوں گی کہتے کہتے اس نے زبان دانتوں تلے دبائی۔ ہلال چونک گیا۔

”کیا مطلب وہ اس آوارہ اور جنگلی کا رشتہ لائی تھیں وہ بھی ہمارے گھر، دماغ تو درست تھا ان کا۔“ ہلال نے کھانا چھوڑ کر امام کو دیکھا۔

”آپ کھانا کھائیں ہم پھر بات کرتے ہیں۔“ بابا نے کہا تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ کھانے کے بعد ملازمہ سبز چائے لے آئی تھی۔ اذان کو اتنی ٹھنڈ میں وہ چائے مزے کی لگی تھی۔

”ہلال! آپ کے چچا کو تو میں نے منع کر دیا ہے مگر آپ کی پھپھو اور تایا بھی میرے خلاف ہو گئے ہیں۔“

”سو واٹ۔“ اس نے منہ بنایا۔

”ہلال! وہ بابا کو دھمکی دے کر گئے ہیں کہ اگر بابا نے انہیں ہاں نہیں کی تو وہ کہیں بھی ہاں نہیں کریں گے۔“

”واٹ نان سنس۔“ ہلال نے کپ سانسے دے مارا تھا اذان چونک گیا۔ اس نے بھی ہلال کو معمولی غصے میں بھی نہ دیکھا تھا۔

”ان کی ہمت کیسے ہوئی ہمارے گھر میں کھڑے ہو کر ہم سے ایسی بات کہنے کی۔“

”ہلال پلیز۔ ریلیکس ہو جائیں غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔“

”تو فلاسفی ادا کے۔“ وہ دھاڑا اٹھا تھا۔ ملازم وہاں کی صفائی شروع کر چکے تھے۔

”اچھا تم سب سو جاؤ جا کر صبح اپنے دوست کو ہنزہ گھمالانا۔“ بابا کھڑے ہوئے تھے۔ اذان ہلال اور امام بھی ان کے احترام میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

”اذان آپ دیکھنا بیٹا آپ کا پاکستان کتنا خوب صورت ہے۔“

”انکل مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ بھی

پاکستان کا حصہ ہے۔ ہلال میں نے تم سے کہا تھا ناں یہ انارکلیکا لگ رہا ہے۔“ وہ ہلال کا ذہن بٹا رہے تھے اس نے ساتھ دیا۔

”بخاؤر! اذان کے روم میں ہینٹنگ زیادہ کرنا بچے کو اتنی سردی کی عادت نہیں ہے۔“

”جی صاحب۔“ ان کے پیچھے کھڑے ملازم نے موڈ بانہ کہا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف چلے گئے ہلال کے چہرے پر ابھی تک شدید غصے کے تاثرات تھے۔

”ان کی ہمت کیسے ہوئی۔“ وہ منھیاں بیچنے ہوئے تھا۔

”اف ہلال! اب جانے دیجیے ناں۔“

”نہیں مجھے دیکھنا ہے کہ وہ کیا کر سکتے ہیں۔“

ہلال نے آگے بڑھ کر سیٹلائٹ فون اٹھایا تھا امام چونک گئی۔

”ہلال! آپ کیا کر رہے ہیں۔“ اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے فون چھینا تھا۔

”شٹ اپ۔“ ہلال نے اس کا ہاتھ تختی سے پکڑ کر فون واپس لیا تھا۔

”ہلال چھوڑیے میں آپ سے کہہ رہی ہوں ناں۔“ وہ مسلسل اس جدوجہد میں تھی کہ ہلال سے فون لے لے مگر ہلال کوئی ٹیسٹ نہ کر چکا تھا۔

”اپنے صاحب سے کہیں کہ ہلال حسن خان کا فون ہے۔“ ہلال کے لفظوں پر امام کی مزاحمت رکی تھی۔

”فیروز خان! میں ہلال حسن خان بول رہا ہوں۔“

”تم کب آئے ہلال حسن خان۔“

”کب آیا ہوں اسے چھوڑو۔ کیوں آیا ہوں، وہ جان لو۔“

”اپنی بہن کو رخصت کرنے آئے ہو گے۔“

فون کی آواز اذان تک آ رہی تھی جو ہلال سے چند قدم کے فاصلے پر تھا پھر امام تو بالکل اس کے قریب کھڑی تھی۔

”ہاں، برسوں جمعہ کو میری بہن کی شادی ہے، رکوا سکتے ہو تو آکر رکوالینا۔“ ہلال کے ہاتھ سے امام کا ہاتھ جھٹلے ہوئے بے جان ہو کر امام کے پہلو میں گرا تھا وہ ساکت نظروں سے ہلال کو دیکھے مگر ہلال نے فون بند کر کے واپس رکھ دیا تھا۔

”مجھے تم سے محبت ہے امام اور تمہاری محبت کے لیے مجھے جان بھی دینی پڑے تو دریغ نہیں کروں گا۔“ اس نے امام کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور پلٹ گیا۔

”آئیں صاحب! آپ کو آپ کے روم میں چھوڑ آؤں۔“ بخاؤر نے کہا تو اذان ایک نظر اس پر ڈال آگے بڑھ گیا۔

”ہلال صاحب کہہ رہے ہیں آپ اپنے گھر خیریت کی خبر دے دیں۔“ ابھی وہ بیڈنگ نہ پہنچا تھا کہ ایک اور ملازم فون لیے آگیا پھر وہ دونوں چلے گئے ماما سے بات ہوئی تو وہ یہ جان کر حیران رہ گیا کہ ماما پہلے سے ہی ہلال کی بہن کے بارے میں جانتی تھیں۔

”اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جب اس کی بہن میرے پاس آئے تو میں اسے اچھا سا کھانا بنا سکھا دوں۔“ ماما نے خستے ہوئے بتایا تھا۔

”ماما! یہ ناممکن ہے وہ تو کوئی شہزادی ہے۔“ وہ مسکرایا تھا پھر اریب اور سارہ سے بات کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

”اذان! فجر کا وقت ہو رہا ہے۔“ ہلال کی آواز پر اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور جب کبل سے باہر نکلا تو اسے احساس ہوا کہ کتنے سکون میں تھا۔ اتنی سردی لگنے لگی وہ کپکپاتے ہوئے فجر ادا کرنے ہلال کے ساتھ مسجد آسکا تھا جب وہ لوگ مسجد سے باہر نکلے تو ہلکا ہلکا سا جالا ہوا تھا۔

”مٹی کہاں ہے صائمہ بلاؤ اسے۔“ اندر کی طرف آتے ہوئے ہلال نے کہا تھا۔ اذان دونوں ہاتھ مل رہا تھا۔ کمرہ کی نسبت ہال کافی ٹھنڈا تھا۔

”صاحب! انہوں نے ساری رات یہیں

گزار دی ہے صبح فجر کے بعد میں نے انہیں کمرے میں جا کر لٹایا ہے۔“ صائمہ نے جھولے کی طرف اشارہ کیا تھا جھولا ایسی جگہ بر تھا کہ وہاں باہر کی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں۔ ہلال جھٹکے سے کھڑا ہوا اور بھاگتا ہوا اس کے روم کی طرف بڑھ گیا۔

”کہاں تھے تم سب لوگ۔ وہ لوگ رات بھر وہاں بیٹھی رہی۔ تم لوگوں نے مجھے اطلاع تک نہیں کی۔“ وہ اسے اتنے تیز بخار میں دیکھ کر دیوانہ ہو گیا۔

”سوری صاحب! اصل میں ہم سب تو اپنے کمرے میں۔“

”واٹ سوری! میری بہن کو کچھ ہوا تو تم سب۔۔۔۔۔“

”شٹ اپ۔“ بابا کی آواز پر اس کی زبان رک گئی تھی۔

”بخاؤر! آپ ڈاکٹر کو بلائیں۔“ بابا کے کہنے پر سب باہر چلے گئے۔

”ہلال آپ کا دماغ خراب ہے۔ کیا وہ لوگ انسان نہیں ہیں آرام پر ان کا حق آپ کی غلامی کے عوض ختم ہو گیا ہے کیا۔۔۔۔۔ بولیں اتنا غصہ کیوں آتا ہے آپ کو۔“ بابا نے ڈپٹا تو وہ شرمندہ ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کا چیک اپ کیا اور دوائیاں دے دی تھیں ہلال نے اسے اٹھا کر ناشتہ کر دیا پھر دوائی کھلائی۔

”آپ جائیں اپنے دوست کے ساتھ۔ وہ بے چارہ بور ہو رہا ہے۔“ دوائی کے اثر سے وہ سو گئی تھی۔

”کیسی طبیعت ہے اب امام کی۔“ اذان کے جسم میں ابھی تک سنسناہٹ سی ہو رہی تھی کہ امام نے ساری رات وہاں گزار دی تھی۔

”پہلے سے بہتر ہے، سو گئی ہے اب تو۔“ ہلال نے جواب دیا پھر ناشتہ کر کے وہ اسے ہنزہ گھمانے کے لیے لے آیا تھا۔ شام کو وہ واپس حویلی پہنچ گئے تھے امام کی طبیعت صبح سے بہتر تھی۔ وہ وہیں جھولے پر موجود تھی شاید یہ اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔

”طبیعت کیسی ہے اب۔“ ہلال اس کے قریب چلا آیا۔ امام کے اشارے پر ملازمہ نے جھولا روک دیا۔

”ٹھیک ہے۔“

”ساری رات یہاں کیوں گزاری تھی تم نے۔“ ہلال نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ بے حد نزاکت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر جھولے سے اتاری بھی اذان بے اختیار مسکرایا امام کا ہر انداز دیکھ کر اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ سچ مچ مغلیہ دور کی شہزادی ہو یا پھر وہ کوئی فلم دیکھ رہا ہو۔

”ہلال تجھے ڈر لگ رہا ہے۔ آپ نے اچھا نہیں کیا۔“ اس کا لہجہ خوف سے پر تھا۔

”پلیز امام میں بہت اچھے موڈ میں ہوں میرا موڈ خراب مت کرو۔“ وہ بے زار ہوا تو وہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی پھر ڈنر کر کے اذان اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ رات کچھ گہری ہوئی تو کچھ عجیب سی آوازوں پر اس کی آنکھ کھلی چند لمحوں تو وہ یونہی پڑا ان آوازوں کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا اور اگلے لمحوں وہ اچھل کر بیٹھا کیونکہ یہ آوازیں فائرنگ کی تھیں۔ وہ تیزی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

”فوراً اس طرف سے جاؤ۔ اس طرف سے نکلو احتیاط سے نکلنا، شور نہ ہو۔“ ہلال کے بابا سامنے صوفیے پر بیٹھے ہوئے تھے پورے ہال میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ہر چہرے پر خوف تھا سوائے تین چہروں کے ”ہلال“ غصے میں تھا۔ بابا کے چہرے پر تکلیف تھی خوف نہیں اور امام شاید کسی پتھر کی مورٹی پر بھی کوئی رنگ ہوتا ہو گا مگر وہ لڑکی بالکل بے رنگ تھی، وہ اسی جھولے پر موجود تھی۔

”اذان۔“ ہلال کی نظر اس پر پڑی تو وہ چونک گیا۔

”بختاور! اذان کو شہر جانے والی گاڑی میں بٹھا دیتا۔“ ہلال نے کہا۔

”کیا ہوا ہلال؟“ وہ قریب آ گیا۔

”کل میری بہن کی شادی ہے، اسے رکوانے کے لیے میرے چچا کے بیٹے نے حملہ کر دیا ہے۔ باہر کھڑے ہمارے ساتھی ان سے تعداد میں کم ہیں وہ لوگ کسی وقت بھی اندر آ سکتے ہیں۔ اسی لیے ہم موجود ملازموں کو محفوظ جگہ پہنچا رہے ہیں۔“ ہلال نے سپاٹ لہجے میں تفصیل سے بتایا تو اس کے لب بھنج گئے۔

”جاؤ اذان! تم بختاور کے ساتھ۔“

”اور تم۔“

”میں کیسے جا سکتا ہوں بابا اور امام کو چھوڑ کر۔“ ہلال چونکا۔

”تو میں کیسے چلا جاؤں تمہیں چھوڑ کر۔“

”اذان پلیز۔ یہاں تمہاری جان کو خطرہ ہے۔“

”اور تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے کیا؟“ وہ دو بدو بولا۔

”میری جان اپنوں کے لیے جائے گی۔ مجھے افسوس نہیں ہو گا تم کیوں پس رہے ہو یہاں۔۔۔۔۔ تم فوراً نکل جاؤ یہاں سے۔“ ہلال چیخا اٹھا۔

”تم بہت برے ہو ہلال! ہمیشہ مجھے غیر کر دیتے ہو۔ بھی تم نے مجھے سمجھایا نہیں۔“ وہ بھی چیخ پڑا۔ بابا اور امام نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

”پہلے تمہیں لگا، تمہاری دولت کے بارے میں جان کر میں تم سے بے غرض دوستی نہیں کر سکوں گا اور اب تمہیں لگتا ہے میں تمہیں ان حالات میں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔“

”اذان پلیز چلے جاؤ یہاں سے۔“ ہلال نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

”صاحب! ہم لن کا مقابلہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ آپ فوراً بڑے صاحب کو لے کر یہاں سے چلے جائیں۔“ اسی لمحے ایک شخص اندر آیا۔

”میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“

”ہلال۔“ امام بھاگ کر اس سے آگے چلی تھی۔

”پلیز آپ باہر مت جائیں مجھے چھوڑ کر۔“

”تمہارا کیا مطلب ہے، میں بزدلوں کی طرح چھپ کر یہاں بیٹھا ہوں۔“

”آپ کو صرف بہادری کے تمنے چاہئیں آپ کو احساس ہے آپ کو اگر کچھ ہو گیا تو میرا اور بابا کا کیا ہوگا۔“ وہ بھیگتی نظروں اور خوف زدہ چہرے سمیت اس پر غصہ ہوئی تھی۔

”اما تم ٹھیک کہہ رہی ہے ہلال! ابھی صرف کسی محفوظ جگہ پر پہنچو کیونکہ ابھی ہم مدد لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ یہاں جب تک ہمارے پاس مدد پہنچنے کی سب سے کم امید نہیں ہوں گے۔“ بابا نے کہا تو ہلال نے اس شخص کو دیکھا۔

”تم سب سے کہہ دو، پیچھے کے راستے سے نکل جائیں۔“

”جی صاحب۔“ وہ پلٹ گیا تھا اس کے بعد وہ لوگ پیچھے کی طرف آگئے تھے اذان فریٹ سیٹ پر آگیا۔ ہلال ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔ بابا اور اما تم پیچھے تھے بخداد کے آتے ہی ہلال نے جیب اشارت کر دی۔

”بابا کیا ہوا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔“ ایک گھنٹے بعد اما تم کی گھبراہٹ آواز پر ہلال نے جیب روک دی۔

”بابا! کیا ہوا۔“ وہ گھوم گیا تھا۔ تکلیف کی شدت ان کے چہرے سے ظاہر تھی۔

”میں ٹھیک ہوں تم گاڑی چلاؤ بیٹا۔“ وہ بمشکل کہہ سکے تھے۔ ہلال نے پھر رفتار مزید بڑھادی تھی تب ہی اس کا فون بجا۔

”چھوٹے صاحب! وہ لوگ ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔“

”کیا۔“ ہلال سمیت سب ہی چونک گئے۔

”ہاں صاحب! وہ لوگ ہم سے فی الحال کافی پیچھے ہیں۔“

”تم لوگ قریب آؤ۔ میں کچھ کرتا ہوں۔“ ہلال نے جیب روک دی اور اذان کی طرف پلٹا۔

”تم میرے ایسے دوست ہو اذان جس کی دوستی میں کوئی غرض نہیں چھپی، مجھے نہیں پتا تھا کہ میں کسی دوست سے بدلہ طلب کروں گا وہ بھی تم جیسے بے غرض دوست سے۔“

”ہلال۔“ وہ اسے ٹوک گیا۔

”میری بہن کا خیال رکھنا۔ اس کی ہمیشہ حفاظت کرنا اذان! چڑا سا ننھا دل ہے اس کا دنیا کے رنگوں سے آشنا بھی نہیں۔ ہمیشہ میرے اور بابا کے سائے میں چلی ہے، اسے زندگی کے سفر میں کبھی اکیلا مت چھوڑنا۔“

”ہلال۔“ وہ بے حد پریشان ہوا تھا۔

”اذان! یہاں سے دو گھنٹے کے فاصلے پر ہاسپٹل ہے۔ بابا کو جلد سے جلد وہاں لے جاؤ میں خود دوسرے راستے پر ان کو اپنے پیچھے لگا رہا ہوں۔“ وہ جیب سے اتر کر اما تم کی طرف آگیا۔

”زندگی رہی تو اپنے ہاتھوں سے تمہیں دلہن بنا کر رخصت کروں گا ورنہ اپنے بھائی کو معاف کر دینا اگر کل غصے میں وہ فون نہیں کرتا تو یقیناً ہم یوں گھر بدر نہیں ہوتے۔“ اما تم نے خالی نظروں سے اسے دیکھا ایک پل کو دل دھڑکا یا رکا۔ اسے لگا اب وہ اپنے اس پیارے، پیار کرنے والے بھائی کو اب بھی نہیں دیکھ پائے گی۔

”کاش میں مر جاؤں۔“ اس نے بے اختیار دعا کی۔ ”میرے بھائی کو کچھ نہ ہو میرے مالک۔“ وہ بخداد کے ساتھ پیچھے والی جیب کی طرف بڑھ گیا اور اذان نے اس کے بتائے ہوئے راستے پر جیب گھمائی۔ ڈیڑھ گھنٹہ تھا فجر ہونے میں وہ بہت تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ کافی دیر ہو گئی تھی۔ فجر کی اذان سے اندازہ ہوا کہ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا ہے۔

”اذان بیٹا! گاڑی روک دو۔ میں فجر پڑھوں گا۔“

”انکل! آپ کا ہاسپٹل پہنچنا ضروری ہے۔“

”نہیں بیٹا! میں نماز نہیں چھوڑ سکتا۔ تم گاڑی روک دو مسجد کے پاس، موت کا کچھ نہیں پتا ہے۔ میں

ہو سہل شاید پہنچ بھی نہ سکوں اور مر جاؤں اس لیے نماز کیوں چھوڑ دوں۔“

ان کے سختی سے کہنے پر اس نے جیب مسجد کے پاس روک دی تھی۔ وہ چھوٹی سی ایک مسجد تھی اذان پہلے بابا کو اندر لے گیا۔ انہیں دھوکہ دیا۔ وہ بے حد آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اندر چلے گئے اور وہ انہیں دیکھے گیا کل اس نے جس حسن خان کو دیکھا تھا۔ وہ یہ نہیں تھے کس قدر شان و شوکت سے کل وہ اپنے گھر میں موجود تھے اور آج جس طرح در بدر تھے، ان کا دل جس صدمے کے زیر اثر تھا اذان شاید سمجھ نہیں سکتا تھا اس کے دل کی حالت بھی ان سے قطعی مختلف نہ تھی۔ ان کی دوستی کو ابھی سال بھی نہ ہوا تھا اور وہ اس کی زندگی بن گیا تھا تو پھر ان کا تو وہ لخت بگر تھا جو اس وقت موت کے منہ میں تھا۔

”اذان! میری بہن کا خیال رکھنا۔“ ہلال کی آواز آئی اور وہ چونک گیا پھر تیزی سے پلٹ کر وہ باہر آیا۔

”امام! آپ بھی اندر چلیں۔“ امام جیب چاب اتر آئی تھی دھوکہ کے وہ مسجد کی سائڈ میں چلی گئی تھی۔ نماز پڑھ کر اذان بابا کی طرف پلٹا تھا وہ شدید تکلیف میں تھے۔

”چلیں بابا۔“ وہ بمشکل اس کے سہارے اٹھے تھے۔

”اذان! ہلال کونون کر سکتے ہو۔“

”جی بابا! گاڑی میں فون ہے۔“ اس نے ہلال کا نمبر ملایا تھا۔ بہت دیر تک بیل بجتی رہی، کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ اذان پریشان ہو گیا تھا جبکہ بابا کا درد جیسے مزید بڑھ گیا کسی انہونی کے احساس سے۔

”اذان بابا کو ہسپتال لے کر پہنچ گئے۔“ چند لمحوں بعد بیل ہوئی تھی ہلال کی آواز درد سے چور تھی۔

”نہیں، ابھی راستے میں ہیں۔ تم ٹھیک ہو ناں۔“ اس کی درد بھری آواز سن کر اذان کو سانس لینا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔

”بابا سے کہنا، شاید اب میں ان سے مل

سکوں۔“

”ہلال کیا ہوا تمہیں۔“ وہ تڑپ گیا۔

”ابھی تو سانس لے رہا ہوں اگلا سانس آئے گا یا نہیں۔ کچھ کہہ نہیں سکتا۔“

”تم کہاں ہو ہلال۔“ منیٹ کے باوجود اس کی آواز بھرا گئی۔

”تم سے دور ہوں۔ تم پلیز، بابا اور امام کو لے کر ہنزہ سے چلے جاؤ۔“ اس نے فون بند کر دیا تھا۔ اذان ہلال، ہلال پکارتا رہ گیا۔ بابا نے جان لیا تھا کہ وہ اب اپنے جگر گوشے سے نہیں مل سکیں گے اس درد نے ان کے دل کو ختم کر دیا۔

”اذان بٹا! میرے اور ہلال کے بعد ہماری امام تھا ہو جائے گی بچے اگر تمہاری اجازت ہو تو میں مولوی صاحب سے کہہ دوں کہ وہ میری بیٹی کا نکاح تم سے کر دیں تاکہ میں اس سکون سے مر سکوں کہ میری بیٹی تنہا نہیں ہے۔“

وہ ابھی ہلال کے فون سے نہیں سنبھلا تھا کہ بابا کی بات پر چونک گیا، وہ انہیں تسلی دینا چاہتا تھا مگر اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ اس سے تسلی نہیں مانگ رہے تھے اور جو مانگ رہے تھے۔

”جی۔ آپ جو حکم کریں۔“ اس نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے اسی وقت ان کا نکاح کر دیا تھا۔ جمعہ کا دن طلوع ہو رہا تھا ہلال کی بہن کی شادی بھی مگر کیسی.....؟

”سدا خوش رہو۔“ وہ انہیں پوری دعا بھی نہ دے سکے اور اس جیاں قافی سے رخصت ہو گئے۔

یہ کیسی شادی تھی اس کی کہ نہ اس کا بھائی تھا نہ باپ رہا تھا۔ بابا کو اسی جگہ سپرد خاک کیا گیا۔

جب وہ جیب کے قریب آیا تھا تو جانتا تھا امام کو سنبھالنا مشکل ہوگا۔ وہ بابا کو بے یقینی سے دیکھتی بھاگ کر جیب میں آ بیٹھی تھی مگر وہ چونک گیا وہ سیٹ سے پشت لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی اس نے پھر ہلال کو فون کیا تھا مگر اس بار بیل بھی نہیں بج رہی تھی، وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دیا۔ وہ جتنا رو رہا تھا دل

کی گھنٹی اتنی ہی بڑھ رہی تھی۔ بہت دیر رونے کے بعد اس نے امام کو دیکھا تھا۔ وہ اسی پوزیشن میں تھی۔ اس بار اسے حرمت ہوئی۔

”امام۔“ اس نے اسے دو تین بار پکارا لیکن جواب نہ دیا۔ تب اس نے دیر سے اسے ہاتھ لگایا اور اگلے پل اسے جھٹکا لگا امام دائیں طرف لڑھک گئی تھی۔ وہ بہت ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے ہسپتال پہنچا تھا وہ آرمی ہسپتال تھا۔

”سوری سر! آپ کی وائف کو رے میں چلی گئیں۔“ تین گھنٹے بعد اسے اطلاع دی گئی۔

”میں انہیں کراچی لے جانا چاہتا ہوں۔“

”ہم آپ کو اپنے پلین سے اسلام آباد تک بھیج سکتے ہیں۔“ انہوں نے جواب دیا اور اس نے اثبات میں سر ہلادیا پھر اسلام آباد اور وہاں سے کراچی کا سفر اس نے کس طرح طے کیا، یہ صرف وہی جانتا تھا۔

”ماما! یہ ہلال کی بہن ہے۔“ اس نے نکاح کے علاوہ ماما کو ہر بات بتا دی تھی۔

ہلال کی ایک ماہ کی گشدگی کے بعد وصیت کے مطابق اس کا پورا بزنس اب اس کے پارٹنر کا تھا اور پارٹنر کا نام سن کر اذان کتنے لمحے کچھ بولنے کے قابل نہ رہا تھا۔

”اذان جنید! آج سے آپ اس چیئر پر کام کریں گے۔“ حسن انڈسٹری کے ایم ڈی کرسی پر اسے بٹھاتے ہوئے کہا گیا یعنی ہلال اسے اپنا پارٹنر بنا چکا تھا اور اسے خبر تک نہ ہوئی اس کے تین ماہ بعد امام گوہوش آیا تھا۔

”امام! یہ میری ماما اور یہ میرے بہن بھائی سارہ اور اریب ہیں۔“ اذان نے تعارف کروایا تھا، ماما کے گلے لگ کر وہ بہت روئی تھی۔ وہ اس روز نہ رو سکی تھی۔ وہ آج اپنے بھائی اور باپ کے لیے رورہی تھی ماما کے سینے سے لگی بے تحاشا روئی امام ماما کے دل میں اتر گئی تھی۔

☆☆☆

”اذان! تم امام کی اسٹڈی شروع کر دو۔“

اس کا ذہن پڑھنے میں لگ جائے گا۔ ویسے تو سارہ اور اریب اسے چھوڑتے نہیں ہیں مگر جب وہ کالج چلے جاتے ہیں تو وہ اکیلی ہو جاتی ہے۔ ”دو ماہ ہو گئے تھے۔ تب ماما نے اذان سے کہا۔“

”آپ اس سے پوچھ لیں ماما! شاید وہ پڑھنا نہ چاہے۔ ہلال نے مجھے بتایا تھا کہ جو بھی اس نے پڑھا ہے، وہ حویلی میں ہی رہ کر پڑھا ہے۔ شاید وہ کسی کالج وغیرہ میں جانا پسند نہ کرے۔“

”وہ میڈیکل کے آخری سال میں ہے۔“ ماما کی بات پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”تو کیا ہلال نے مجھ سے جھوٹ کہا۔“ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

”ماما! میرا ذہن اب ویسا ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نہیں پڑھ سکتی۔“

”کچھ دن مسئلہ ہو گا پھر دیکھنا ٹھیک ہو جاؤ گی۔“ ماما اس کے انکار کو خاطر میں نہ لائیں۔

اس کا ایڈمیشن ہو گیا چند مہینے تو اس کا ایک رزلٹ اچھا نہیں آیا لیکن پھر اسے دلچسپی لینی پڑی۔

ماما کی کچھ دنوں سے طبیعت خراب تھی۔ لگ لگھانا تو اچھا پیتا تھا لیکن اریب کو اس کے ہاتھ کی روٹیاں پسند نہ تھیں دو تین دن وہ ڈھنگ سے کھانا نہ کھا سکا تو چوتھے دن امام کچن میں آ گئی۔

”آپ ہٹ جائیں۔ روٹیاں میں بنا لوں گی۔“ اس نے لگ کو ہٹا دیا۔

”امام! کیا کر رہی ہو۔“ ماما کسی کام سے کچن میں آئیں تو اسے دیکھ کر چونک گئیں۔

”ماما! روٹی بنا رہی ہوں۔“

”تمہیں روٹی بنانی آتی ہے؟“ انہیں حرمت ہوئی۔

”ماما! میں بھوہڑ لڑکی نہیں ہوں۔“ وہ جھینپ گئی ماما انہیں دیں۔

”کیا امام نے روٹی بنائی ہے؟“ سارہ اور اریب نیبل پر بے ہوش ہو گئے اور اذان نے بھی حرمت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اسے جس روپ

میں دیکھ چکا تھا اب یہ روپ اس کے لیے حیرت انگیز تھا۔

”واقعی تم نے بنائی ہے۔“ وہ ان دس ماہ میں اس سے مکمل طور پر لا تعلق رہا تھا۔ اب حیرت کے باعث پوچھ بیٹھا۔ امام تو شرمندہ ہی ہو گئی۔

”جتنی میری شہزادی کوئی پھوہڑ لڑکی تھوڑی ہے۔“ اماں اس کی حمایت میں بولیں۔

پھر وہ اپنی پڑھائی میں پوری طرح مگن ہو گئی تھی۔ سعد اسے ہلال حسن کی کمپنی کے اوزار میں دیکھ کر حیران ہوا تھا اب اس نے سعد کو ساری بات بتائی سوائے اسے اور امام کے نکاح کے۔

”ہلال نے امام کو ہر طرح سے محفوظ کر دیا ہے۔ اب کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ سب امام کا ہے۔“

”لیکن تمہارے مزے آ گئے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ حیران ہوا۔

”بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی جائداد ہاتھ آ گئی۔“

”یہ سب امام کا ہے۔“ اس نے احتجاج کیا۔

”تم جاؤ تو کچھ نہ دو یا چپ چاپ اپنا اکاؤنٹ بھرتے رہو اسے کون سی بزنس کی اتنی معلومات ہیں ویسے یہ امام کی پوری جاگیر کا ایک حصہ ہے ٹائٹی ٹائن برسٹ تو ہنزہ میں رہ گیا۔ امام کو منظر عام پر لے آؤ تو وہ بھی مل سکتا ہے۔“ وہ کہہ رہا تھا یہ جانے بغیر کہ اذان کا دماغ بری طرح گھوم چکا ہے۔

”شٹ اپ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ اتنا گھٹیا مشورہ دیتے ہوئے شرم نہیں آ رہی ہے تمہیں۔“

”اوہ! تمہیں تو غصہ آ گیا اس لڑکی کو کیا پتا تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔“ سعد چلا گیا مگر اذان کے لیے سوچ کے نئے پہلو کا درد اکر گیا۔

”امام! تم ایم بی اے کر رہی ہو۔“ پیپروں کا بھوت اترادہ پرسکون ہوئی تھی۔ پریکٹس باقی تھی پھر وہ ڈاکٹر ہو جاتی۔

”یہ میری لائن نہیں ہے۔“ وہ پریشان ہو گئی۔

”تم کوشش کرو، میں ہیلپ کروں گا۔ کمپنی آؤ“

کی تو سب سمجھ میں آ جائے گا۔“ وہ چونکی اور چپ ہو گئی کیونکہ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا اذان کیوں یہ سب کہہ رہا ہے اس نے خود ایک دن پہلے ہی اماں اور چچو کی گفتگو سنی تھی۔

”اذان کو اس دوستی سے تو بڑا فائدہ ہو گیا اتنی بڑی کمپنی کا مالک بن گیا۔ اب آپ گھر کیوں نہیں بدل لیتی ہیں بھابھی؟“

”آپ اذان کہاں سے مالک ہو گیا۔ وہ تو صرف نگران ہے۔ سب کچھ تو امام کا ہے۔“

”اور امام آپ کی منشی میں ہے۔ وہ تو اتنی سیدھی لڑکی ہے۔ آپ کے گھر کی ملازمہ بن کر بھی خوش ہے۔“ امام کے روٹی پکانے کے واحد کام پر وہ طنز کر رہی تھیں۔ امام کو افسوس ہوا کہ وہ اماں کے خلوص پر شک کر رہی تھیں۔

”میں پریکٹس کے بعد ایم بی اے کر لوں گی پلیز صرف پریکٹس کا وقت دے دیں مجھے ڈاکٹر بنانا ہلال اور بابا کا خواب ہے۔“

کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے تھی اس نے اس پر ایک نظر ڈالی اور اثبات میں سر ہلادیا اور اگلے ایک سال میں وہ سارہ، اریب، اماں کے اتنا ہی قریب آ چکی تھی جتنا وہ رمٹ کو لانا چاہتا تھا وہ ان لوگوں میں اس طرح مکمل مل گئی تھی کہ ہنزہ کی زندگی کی اب پر چھائیں بھی نہیں تھیں۔ وہ یکسر بدل گئی تھی چوڑی دار پانچامہ، ریشمی فرائڈ سوٹ وہ ڈائمنڈ کا سیٹ وہ دلہن کا روپ سب ختم ہو گیا تھا۔ ملازمہ کے سر پر کھڑے ہو کر صفائی کرواتے اریب کے لیے روٹیاں پکاتے سارہ کے ساتھ مصنوعی لڑائی لڑتے اماں کے ساتھ راز کی باتیں کرتے شاید بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ وہ ہی لڑکی ہے جو اپنی پلیٹ میں کھانا بھی خود نہیں ڈالتی تھی۔

”امام! یہ تمہاری گاڑی۔“ اذان نے چابی اس کی طرف بڑھائی تھی اور وہ پتھر اسی گئی۔ سارہ اریب بہت خوش تھے۔ وہ پچھلے تین سال سے ایک معمولی سی زندگی گزار رہی تھی۔ اذان نے ایک پل میں اس پر

کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے تھی اس نے اس پر ایک نظر ڈالی اور اثبات میں سر ہلادیا اور اگلے ایک سال میں وہ سارہ، اریب، اماں کے اتنا ہی قریب آ چکی تھی جتنا وہ رمٹ کو لانا چاہتا تھا وہ ان لوگوں میں اس طرح مکمل مل گئی تھی کہ ہنزہ کی زندگی کی اب پر چھائیں بھی نہیں تھیں۔ وہ یکسر بدل گئی تھی چوڑی دار پانچامہ، ریشمی فرائڈ سوٹ وہ ڈائمنڈ کا سیٹ وہ دلہن کا روپ سب ختم ہو گیا تھا۔ ملازمہ کے سر پر کھڑے ہو کر صفائی کرواتے اریب کے لیے روٹیاں پکاتے سارہ کے ساتھ مصنوعی لڑائی لڑتے اماں کے ساتھ راز کی باتیں کرتے شاید بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ وہ ہی لڑکی ہے جو اپنی پلیٹ میں کھانا بھی خود نہیں ڈالتی تھی۔

”امام! یہ تمہاری گاڑی۔“ اذان نے چابی اس کی طرف بڑھائی تھی اور وہ پتھر اسی گئی۔ سارہ اریب بہت خوش تھے۔ وہ پچھلے تین سال سے ایک معمولی سی زندگی گزار رہی تھی۔ اذان نے ایک پل میں اس پر

کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے تھی اس نے اس پر ایک نظر ڈالی اور اثبات میں سر ہلادیا اور اگلے ایک سال میں وہ سارہ، اریب، اماں کے اتنا ہی قریب آ چکی تھی جتنا وہ رمٹ کو لانا چاہتا تھا وہ ان لوگوں میں اس طرح مکمل مل گئی تھی کہ ہنزہ کی زندگی کی اب پر چھائیں بھی نہیں تھیں۔ وہ یکسر بدل گئی تھی چوڑی دار پانچامہ، ریشمی فرائڈ سوٹ وہ ڈائمنڈ کا سیٹ وہ دلہن کا روپ سب ختم ہو گیا تھا۔ ملازمہ کے سر پر کھڑے ہو کر صفائی کرواتے اریب کے لیے روٹیاں پکاتے سارہ کے ساتھ مصنوعی لڑائی لڑتے اماں کے ساتھ راز کی باتیں کرتے شاید بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ وہ ہی لڑکی ہے جو اپنی پلیٹ میں کھانا بھی خود نہیں ڈالتی تھی۔

”امام! یہ تمہاری گاڑی۔“ اذان نے چابی اس کی طرف بڑھائی تھی اور وہ پتھر اسی گئی۔ سارہ اریب بہت خوش تھے۔ وہ پچھلے تین سال سے ایک معمولی سی زندگی گزار رہی تھی۔ اذان نے ایک پل میں اس پر

کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے تھی اس نے اس پر ایک نظر ڈالی اور اثبات میں سر ہلادیا اور اگلے ایک سال میں وہ سارہ، اریب، اماں کے اتنا ہی قریب آ چکی تھی جتنا وہ رمٹ کو لانا چاہتا تھا وہ ان لوگوں میں اس طرح مکمل مل گئی تھی کہ ہنزہ کی زندگی کی اب پر چھائیں بھی نہیں تھیں۔ وہ یکسر بدل گئی تھی چوڑی دار پانچامہ، ریشمی فرائڈ سوٹ وہ ڈائمنڈ کا سیٹ وہ دلہن کا روپ سب ختم ہو گیا تھا۔ ملازمہ کے سر پر کھڑے ہو کر صفائی کرواتے اریب کے لیے روٹیاں پکاتے سارہ کے ساتھ مصنوعی لڑائی لڑتے اماں کے ساتھ راز کی باتیں کرتے شاید بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ وہ ہی لڑکی ہے جو اپنی پلیٹ میں کھانا بھی خود نہیں ڈالتی تھی۔

”امام! یہ تمہاری گاڑی۔“ اذان نے چابی اس کی طرف بڑھائی تھی اور وہ پتھر اسی گئی۔ سارہ اریب بہت خوش تھے۔ وہ پچھلے تین سال سے ایک معمولی سی زندگی گزار رہی تھی۔ اذان نے ایک پل میں اس پر

کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے تھی اس نے اس پر ایک نظر ڈالی اور اثبات میں سر ہلادیا اور اگلے ایک سال میں وہ سارہ، اریب، اماں کے اتنا ہی قریب آ چکی تھی جتنا وہ رمٹ کو لانا چاہتا تھا وہ ان لوگوں میں اس طرح مکمل مل گئی تھی کہ ہنزہ کی زندگی کی اب پر چھائیں بھی نہیں تھیں۔ وہ یکسر بدل گئی تھی چوڑی دار پانچامہ، ریشمی فرائڈ سوٹ وہ ڈائمنڈ کا سیٹ وہ دلہن کا روپ سب ختم ہو گیا تھا۔ ملازمہ کے سر پر کھڑے ہو کر صفائی کرواتے اریب کے لیے روٹیاں پکاتے سارہ کے ساتھ مصنوعی لڑائی لڑتے اماں کے ساتھ راز کی باتیں کرتے شاید بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ وہ ہی لڑکی ہے جو اپنی پلیٹ میں کھانا بھی خود نہیں ڈالتی تھی۔

”امام! یہ تمہاری گاڑی۔“ اذان نے چابی اس کی طرف بڑھائی تھی اور وہ پتھر اسی گئی۔ سارہ اریب بہت خوش تھے۔ وہ پچھلے تین سال سے ایک معمولی سی زندگی گزار رہی تھی۔ اذان نے ایک پل میں اس پر

ثابت کیا کہ وہ معمولی سی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ گاڑی پورے خاندان میں کسی کے پاس نہ تھی اور جس مالیت کی تھی وہ اپنی مشکل بھی تھی۔

ایم بی اے میں اس کا ایڈمیشن ہو گیا تھا اس نے آفس بھی آنا جانا شروع کیا تھا۔ اذان کو لگتا تھا اب وہ دلچسپی لے رہی ہے مگر حقیقت یہ تھی کہ سب کچھ اس کے سر پر سے گزرتا تھا۔ وہ تو یہ سب اس لیے کر رہی تھی کہ کوئی بھی اذان کے غلوں پر شک نہ کرے اور اب یہ گاڑی۔ اگر اذان کے چہرے پر سکون کی چمک نہ ہوتی تو وہ بھی یہ گاڑی استعمال نہ کرتی کیونکہ وہ اب ہنزہ جیسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

”ماما آئی ایم سوری آپ ہرٹ ہوئیں۔“ سب کے جانے کے بعد وہ ساکت جامہ ماما کی طرف بڑھی۔

”مث اب! وہیں رک جاؤ۔“ امام کے ساتھ ساتھ اذان بھی چونک گیا۔

”میری صرف ایک بی بیٹی ہے اور اس کا نام ہے سارہ کی اور سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔“

ماما سے اس شدید رد عمل کی توقع اذان کو بھی نہ تھی ماما نے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ رات اسی مینشن میں گزری کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ صبح ناشتہ کیے بغیر امام اور اذان چلے گئے۔ سچ پر امام کا بھوکے بڑا حال تھا۔ وہ جونہی تھیل پر آئی ماما اپنا اور اریب کا سچ لے گئیں۔ وہ اکیلی تھیل پر رہ گئی تو اس کی بھوک خود بخود ختم ہو گئی۔ شام کو وہ روٹی بنانے کچن میں آئی اریب لاؤنج میں تھا۔

”سلامت! روٹیاں تم بنانا۔“ اریب نے وہیں سے آواز دی تھی، امام نے بے اختیار سنک کا سہارا لیا تھا وہ کیسے معافی مانگے اس کی سمجھ نہ آ رہا تھا اسے اریب سے ایسی توقع نہیں تھی۔

”اریب آئی ایم سوری تم۔“ وہ اس کے قریب چلی آئی تھی اریب تیزی سے اٹھ کر ماما کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ مجرم نہ ہو کر بھی سزاوار تھی وہ وہیں

موسنے پر بیٹھ کر رونے لگی۔ اذان جو اسی پل آیا تھا اسے یوں روتا دیکھ کر لب بھیج کر رہ گیا۔ دو دن مزید یوں ہی گزرے وہ جھٹکنے لگی تھی اس صورت حال سے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیسے اس منظر کو بدل دے اور ماما پھر اس سے پیار کرنے لگیں۔

تیسرے دن سارہ آگئی۔ اریب اس کے قریب رک گیا تھا مگر وہ اس پر نظر ڈالے بغیر گزر گئی۔ سارہ کے رویے کے باعث وہ ٹھیک طرح سے خوش بھی نہ ہو پائی تھی۔ وہ کچن میں آگئی اسے جائے پر اور ڈنر پر اہتمام کرنا تھا مگر چند لمحوں بعد ہی ماما آگئیں۔

”سلامت! ڈنر ہم باہر کریں گے۔ چائے کے ساتھ کچھ لے آؤ۔“ وہ بنا اسے دیکھے سلامت سے کہہ کر باہر نکل گئیں۔ وہ چپ چاپ ٹیرس پر چلی آئی تھی۔ سب کچھ اس کی نگاہ میں کسی قلم کی طرح چلنے لگا تھا یکدم اسے اپنے قریب کسی کا احساس ہوا تو وہ چونک گئی۔

”میں دس منٹ سے یہاں پر ہوں۔“ تیمور نے مسکرا کر کہا تھا وہ کچھ نہ بولی۔ یقیناً وہ اس کی بے خبری پر طنز کر رہا تھا۔

”میں نیویارک جا رہا ہوں۔ کچھ چاہیے تو بتاؤ۔ تمہارے لیے لے آؤں گا۔“ وہ خاموش رہی وہ چند لمحے اس کے بولنے کا خطرہ رہا پھر چلنے لگا۔

”مجھے لے کر چلو گے۔“ وہ چونک کر مڑا۔

”کہاں۔“

”نیویارک۔“ وہ حیرت زدہ اس کی شکل دیکھے گیا۔

☆☆☆

”السلام علیکم سر میں اندر آ جاؤں۔“ اذان نے سر اٹھا کر دیکھا اپنی کے جی ایم تھے۔

”و علیکم السلام آئیں پلیز۔“

”سر! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔“

”جی کہیں۔“ وہ اذان کے اشارے پر بیٹھ گئے تھے۔

”سر! آپ کو معلوم نہیں ہے میرا تعلق ہنزہ سے ہے۔“ اذان نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”سر! حسن صاحب کے مجھ پر بے شمار احسانات ہیں۔ میں بچپن سے ان کے پاس آتا جاتا رہا ہوں۔ ان کی ڈیڑھ کے بعد مجھے امام کی بہت فکر تھی۔ دوسرے لفظوں میں مجھے آپ پر شک تھا لیکن ان تین سالوں میں، میں نے جان لیا ہے کہ آپ اس سے کس قدر قلعہ ہیں لیکن سر! آپ اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ وہ حیران ہوا۔

”سر! آپ نے اسے جو اکاؤنٹ دیا ہے، کم از کم اسے چیک بھی کریں۔ ابھی وہ چھوٹی ہے اس کی غلط رہنمائی بھی ہو سکتی ہے۔ پہلی بار جب اس نے ایک لاکھ کی رقم نکالی تو میں چونک گیا تحقیقات کرنے پر پتا چلا کہ اس نے کسی بیوہ عورت کو اس کی بیٹی کی شادی کے لیے دیے ہیں تو میں چپ رہا کیونکہ یہ تو اس کی گھٹی میں شامل تھا۔ ان چار پانچ ماہ میں وہ چھ سات لاکھ روپے نکال چکی ہے۔“ اذان بے تاثر چہرہ لیے سن رہا تھا۔

”میں جانتا ہوں آپ اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ چونکہ وہ کوئی غلط کام نہیں کر رہی تھی اسی لیے میں نے بھی آپ کے علم میں لانا ضروری نہ سمجھا لیکن اب بات دوسری ہو چکی ہے میں نے سوچا آپ کو اطلاع کر دوں برسوں امام کے اکاؤنٹ سے پانچ کروڑ کی رقم نکالی گئی ہے۔ یہ امام نے خود نہیں بلکہ کسی تیسوڑ نامی شخص نے وصول کی ہے۔“ اذان چونک گیا۔

”تیسوڑ نے وہیں سے اس رقم کو امریکی ڈالر میں چینج کروا کے امریکہ ٹرانسفر کر دیا اور کچھ رقم پاسپورٹ آفس میں جمع کر دائی ہے وہاں سے معلومات پر پتا چلا کہ جو رقم ان کے آفس میں جمع ہوئی ہے وہ امام حسن خان کے پاسپورٹ اور ویزے کے لیے جمع کی گئی ہے نیویارک میں میرا بھانجا رہتا ہے۔ میں نے اس سے معلومات لینے کے لیے کہا وہاں سے اطلاع آئی ہے کہ وہ رقم ایک اسٹیٹ بروکر نے بینک

سے نکال لی ہے اور ایک فلیٹ ڈیکوریت کر رہا ہے۔“ اذان کو آہستہ آہستہ زمین سرکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”سر! میں امام کو اپنی بیٹی سمجھتا ہوں اور اس بار مجھے لگا، وہ کچھ غلط کر رہی ہے۔“ اذان ان سے پہلے اٹھ کر آفس سے باہر نکل گیا تھا جس وقت وہ گھر پہنچا تھا۔ ماما ریب اور سارہ لاؤنچ میں تھے۔

”امام کہاں ہے؟“ وہ شدید غصے میں تھا ماما ریب، سارہ چونک گئے۔

”امام۔“ اس نے ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر اسے آواز دی۔

”جی۔“ دوسری آواز پر وہ اس کے سامنے تھی۔

”نیویارک کے کس علاقے میں قدم رنجہ فرمائیں گی آپ؟“ اس نے آگے بڑھ کر اسے سختی سے تمام کر لفظ لفظ جما کر ادا کیا تھا۔ امام کا خون خشک ہوا یہ اطلاع تیسوڑ نے نہیں دی۔ اس کا اسے یقین تھا۔

”ماما! آپ کو پتا ہے، یہ نیویارک جا رہی ہے۔ اس کی عمر دیکھیں اور اس کے قہلے دیکھیں۔“ اس نے جھٹکے سے اسے ماما کے قریب پھینکا تھا وہ یک دم رو پڑی۔

”آپ کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں اور میں آپ کے لیے تکلیف کا باعث ہوں۔ میں آپ کی اتنی محبت پا چکی ہوں کہ اب یہ نفرت مجھ سے کبھی نہیں جا رہی ہے میری وجہ سے سب کی کبھی بھی جیسے روٹھ گئی ہے۔ اس گھر کی حقیقی خوشیاں تب ہی لوٹیں گی جب میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ چچا، بچھو وغیرہ بھی ناراض ہیں وہ بھی جب ہی مانیں گے جب میں یہاں نہیں رہوں گی اور تیسوڑ کے علاوہ میں کسی پر اعتبار بھی نہیں کر سکتی۔ اسی لیے میں نے سوچا کہ.....“ آگے کے الفاظ ہچکیوں کی نذر ہو گئے۔

”محترمہ! سوچنے کے لیے دماغ چاہیے ہوتا ہے۔ وہ آپ کے پاس ہے؟“ ریب کی آواز پر اس نے روتے ہوئے سر اٹھایا تھا۔

”میں آپ سے ناراض ہوں اور اس کا حق ہے مجھے۔۔۔۔۔ جب میں کہتا تھا کہ امام جائیں گی تو میں کتنے دن ٹھیک سے کھانا نہیں کھا سکوں گا تب کیوں نہیں کہا۔“

”اریب! فکر مت کرو، میں کہیں نہیں جاؤں گی۔“ وہ چونک گئی۔

”اور میں کیوں نہ ناراض ہوں تم سے۔“ سارہ اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

”جب میں پریشان ہوتی تھی کہ رمضہ آپنی ہمارے گھر آئیں تو بھائی کو ہم سے دور کر دیں گی تو کیوں نہیں کہا تم نے کہ وہ کبھی ہمارے گھر نہیں آ سکتی ہیں۔ کیوں نہیں بتایا مجھے کہ میری بھابھی مجھ سے اتنے قریب ہے۔ جتنے میرے بھائی بھی نہیں۔“ وہ حیرت سے منہ کھولے سارہ کو دیکھنے لگی۔

”خفا تو میں بھی ہوں۔“ ماما نے اسے اپنے قریب کر لیا تھا۔ اس کی لٹوں کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے اس کی پیشانی کو چوما تو ایک ٹھنڈک سی اس کے اندر اتری تھی۔

”جب میں اپنی بہو گھر لانے کی بات کرتی تھی تو کیوں نہیں کہا کہ ماما آپ کی بہو گھر آ چکی ہے جب میں اذان کی پسند کی چیز رمضہ کو دیتی تھی تو کیوں نہیں کہا کہ ماما! اس پر میرا حق ہے۔“ وہ سر جھکا گئی۔

”اور اب نیو پارک جا رہی ہو۔ ہم کو بتائے بغیر اس کے لیے تو معافی بالکل نہیں ملے گی۔“ ان تینوں نے کورس میں کہا تھا۔

”آئی ایم سوری۔“ وہ یکدم ماما سے لپٹ گئی تو وہ مسکرا دیں۔

”سارہ مارا کھانا لگاؤ۔ ماما کی ناراضی ختم ہوئی تو مجھے بھوک لگنے لگی ہے۔“

”تم سے ختم نہیں ہوئی، وہ تو اس وقت اجنبی اور ڈری سہمی تھی، تم بھی اتنا اعتبار نہ کر سکے اپنی ماں پر۔“ انہوں نے فوراً اسے ڈانٹ دیا۔

”میں کھانا لگاتی ہوں۔“ اذان نے اس پر نظر ڈالی تو وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

”ماما! میں اس وقت کنفیوز تھا۔“

”تین سال تک تم کنفیوز ہی رہے ماشاء اللہ بیٹے۔“ انہوں نے اس پر طنز کیا تھا۔ اریب اور سارہ مسکرائے اور پھر اٹھ کر امام کے پیچھے نکل گئے۔

”ماما! میں کبھی یہ کہنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ میں امام کے لیے کسی اچھے شخص کی تلاش میں تھا جو مجھے تیور کی صورت میں مل گیا۔ اسی لیے میں سوچ رہا تھا کہ جس طرح یہ نکاح خاموشی سے ہوا ہے اسے ختم کر کے۔“ اس کا اگلا جملہ منہ میں ہی رہ گیا۔ ماما کا پھٹر اس کی اچھی خاصی تواضع کر گیا تھا۔

”پرسوں میں نے مہمانوں کو جمع کر لیا ہے۔ میں اپنی بہو کو رخصت کرنے کا سارا انتظام کر چکی ہوں۔“ ماما کی بات پر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

”ماما پلیز۔“ وہ کچھ جھنجھٹایا تھا۔ ماما میں نہیں چاہتا کہ ہم اس پر کسی قسم کی زبردستی کریں اور اس کے ساتھ برا ہو۔“

”اس کے ساتھ جو برا ہوتا تھا وہ تین سال پہلے ہی ہو گیا اور جو زبردستی ہوتی تھی وہ بھی ہو گئی ہے۔“

”ماما پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ۔۔۔۔۔ ماما میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا اس کے بارے میں۔“

”بکواس بند کرو اذان۔“ ماما چڑھ گئیں۔ تین سال سے وہ تمہاری بیوی ہے اور تم کہہ رہے ہو تم نے کبھی اس کے بارے میں نہیں سوچا میں یہ بات نہیں مان سکتی لڑکی بھی ایسی جس کا کوئی بھی دیوانہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے تم نے بھی کوئی جذبہ محسوس نہیں کیا۔ تم پتھر کے بنے ہوئے ہو کیا؟“ وہ غصے سے کہتے ہوئے باہر نکل گئیں اور اس نے بے بسی سے لب بھینچ لیے۔

”جو جذبہ اس کے لیے میں نے پہلی نظر میں محسوس کیا وہ رمضہ کے لیے بارہ سالوں میں بھی محسوس نہ کر سکا، اس جذبے کو محبت کہتے ہیں ماما۔“

اسے یاد آیا اس نے امام کو پہلی بار اس خوب صورت محل میں سرخ گلابوں سے سجے جھولے پر کسی شہزادی کی طرف بیٹھے دیکھا تھا۔

”مگر میں خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتا ماما۔ اگر حالات ویسے نہ ہوتے تو ہلال یا انکل بھی یہ شادی نہ کرتے ہلال نے تو کبھی اس کا ذکر تک نہیں کیا اسے میری مخالفت میں کیا دیتا۔ میں اس کے قابل نہیں ہوں، یہ احساس کمتری اس کی محبت سے بہت وسیع ہے۔“

”بھائی! کھانا لگ گیا۔“ اریب کی آواز پر وہ چونک اٹھا اور گہرا سانس لے کر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ ڈائننگ ہال میں آ گیا۔

☆☆☆

”امام! آئی ایم سوری ماما نے میرے منع کرنے کے باوجود یہ سب کیا اور انہوں نے مجھے تم سے بات تک نہیں کرتے دی۔ امام! میں تم پر کچھ بھی زبردستی مسلط نہیں کرنا چاہتا تم آج بھی کوئی بھی فیصلہ کر سکتی ہو، مجھے قبول ہوگا۔“

دلہنوں کے روایتی انداز میں بیٹھی امام نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ دونوں ہاتھوں کو پینٹ کی جیب میں گھسائے اس کے چہرے پر بے حد بے چینی سے پھیلی تھی اس کی نظر بھی امام پر نہیں تھی۔ امام آہستہ سے اتری اور اس کے قریب آ گئی وہ چونک گیا۔

”مجھے آپ سے بہت محبت ہے اذان۔“

”اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی آپشن بھی تو نہیں ہے۔“ اس کے اس رخ لیجے پر امام چونک گئی اور اذان کے لب پہنچ گئے۔

”پلیز امام! سمجھنے کی کوشش کرو۔“

”کیا سمجھنے کی کوشش کروں۔“ وہ حیران ہوئی۔

”تم..... تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو۔“ اس نے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

”پر میں تو آپ سے محبت کرتی ہوں۔“ وہ اس کے سامنے آ گئی پھر سے۔

”یہ محبت نہیں مجبوری ہے امام۔“ اس نے بے بسی سے کہا تو امام نے کچھ الجھ کر اذان کو دیکھا۔

”اگر وہ رات ہماری زندگی میں نہ آئی ہوتی تو ہلال جس نے کبھی تمہارا ذکر بھی نہیں۔ بھلا میرے

سپر دتمہیں کیوں کرتا اور انکل انہوں نے کبھی مجھ جیسا کوئی لڑکا تمہارے لیے سوچا بھی نہ ہوگا کیا کہ مجھ سے نکاح کر دینا اور تم..... تم بھی آج یہاں کھڑی اس محبت کی دعوے دار نہ ہوتیں کیونکہ میں.....“

اس کی زبان یک لخت رکی۔ امام کی آنکھیں اس بل ہلال حسن کی آنکھوں میں تبدیل ہو چکی تھیں وہی گہری نظریں جن سے اسے انجمن ہوتی تھی۔

”ہلال..... ہلال بھی مجھے ایسے ہی دیکھتا تھا۔“ اس نے زیر لب کہا اور امام نے جھٹکے سے رخ پھیر لیا لیکن اس سے بھی زیادہ تیزی سے اس نے امام کو واپس اپنی طرف گھمایا۔

”امام! کیوں دیکھ رہی تھیں تم مجھے ایسے کیا کہہ رہی تھیں تمہاری آنکھیں، کیوں دیکھتا تھا ہلال مجھے ایسے، بتاؤ امام۔“ وہ چیخا اور امام نے اس کے ہونٹوں پر اپنی ہتھیلی جمادی۔

”شش۔“ باہر مہمان موجود ہیں۔ کیا سوچیں گے، آپ اپنی دہن سے لڑ رہے ہیں۔

”جسٹ شٹ اپ۔“ وہ بھی اسے ہلال کی طرح ہال رہی تھی۔

”مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے ہلال کی طرح کیوں دیکھا؟ کیا چھپاتا تھا ہلال مجھ سے۔“ اس نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر جھوڑا لایا تھا۔

”چپ ہو جائیے اذان! ہلال کو کچھ نہ کہیں، جان ہے وہ میری اور یہ سوچ کر بھی مجھے تکلیف ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس نہیں ہے۔“ وہ یک دم رو پڑی اور اذان کی گرفت ڈھیلی ہوئی۔

”وہ صرف میرا بھائی ہی نہیں میری ماں میرا دوست میری سانسوں کی شرط بھی تھا میں اس کے بغیر بھی زندہ ہوں مجھے یقین نہیں ہوتا ہے کیونکہ میرے پاس تو اس سے ایک لمحہ دور رہنے کا تصور بھی نہیں تھا پھر اس کے بغیر جی کیسے گئی۔“

وہ روتے ہوئے اذان کے کندھے پر سر نکا گئی اور وہ جو پہلے ہی بے چینی و انتشار میں مبتلا تھا۔ اب تو جیسے ٹھن اور بھی بڑھ گئی تھی۔

”آپ نے بالکل ٹھیک کہا اور وہ رات نہ آئی ہوتی تو وہ مجھے آپ کے سر پر ہرگز نہ کرتا کیونکہ وہ مجھے آپ کے ساتھ رخصت کرنا چاہتا تھا اور بابا انہوں نے تو واقعی آپ جیسے کسی بھی لڑکے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا کیونکہ وہ صرف میرے لیے آپ کو ہی چاہتے تھے اور میں..... میں تو آج بالکل بھی یہ دعوائے گریہ ہوتی کہ میں آپ کو پچھلے دس سال سے چاہتی ہوں۔

اگر وہ رات نہ آئی ہوتی تو یقیناً تین سال پہلے ہی آپ کو معلوم ہو جاتا کہ بہت ذہین فطین میڈیکل کے آخری سال کی اسٹوڈنٹ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہلال حسن خان کی لاڈلی، پریوں سی بہن بے پناہ حسن و دولت کی مالک امام حسن خان سات سال پہلے آپ کی صرف ایک جھلک پر ہی آپ کی دیوانی ہو گئی تھی نہ صرف خود پاگل ہوئی بلکہ اپنے سے وابستہ لوگوں کو بھی پاگل کر ڈالا۔“

وہ کہتی جا رہی تھی اور اذان برف کا ہوتا جا رہا تھا اسے اپنی سماعتوں کے درست ہونے پر شبہ ہو رہا تھا۔ اس نے اس کے کندھے سے سر اٹھایا اور آنسو صاف کیے۔

”میں اپنی دولت پر غرور کرنے والی بہت ہی عام سی لڑکی تھی۔ اذان، اما، بابا، ہلال سے قطعی مختلف اپنی مغرور طبیعت کی بنا پہ میں نے اکثر اما سے اپنی انسٹ کروائی۔ اما کو میری عادتیں پسند نہیں تھیں اور مجھے اما کی ڈانٹ ڈپٹ لیکن جب اما بیمار ہو میں تو میں سب کچھ بھول گئی بیمار وہ تھیں اور کھانا پینا مجھ پر حرام تھا۔ اما ہسپتال میں ایڈمٹ تھیں۔ وہاں میں نے آپ کو دیکھا۔ آپ کے بابا کو ہارٹ ایک ہوا تھا۔ آپ وہاں رو رہے تھے پھر آپ کے بابا کی ڈیڑھ ہو گئی اور آپ لوگ وہاں سے چلے گئے اور اس کے دوسرے دن اما کی ڈیڑھ ہو گئی اور میرے لیے دن رات جیسے بے کیف ہو گئے چند مہینوں بعد سبھی تو میں نے شانزہ اپنی دوست سے آپ کا ذکر کیا کہ میں کیسے آپ کو دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔“

”مہارانی صاحبہ! آپ اسے کیسے تلاش کریں گی۔ نام تک تو پتا نہیں۔“ شانزہ نے شرارت سے کہا مگر میں سنجیدہ ہو گئی۔

”اس کے والد کا کارڈ میرے پاس ہے اس پر ان کا فون نمبر بھی ہے۔ اسپتال میں گر گیا تھا۔ میں نے اٹھالیا۔

”شانزہ.....“ وہ مجھے بھولتا نہیں کتنے دنوں سے میں سو نہیں پائی ہوں۔ میری نیندیں رخصت ہو چکی ہیں۔“

”ممکن ہے وہ غریب ہو آپ اس کی چھوٹی سی کوٹھڑی میں کیسے رہیں گی اس کے پاس نوکر نہ ہوئے تو کیا جینز میں روٹی پکانے والے لے کر جائیں گی۔“ اس نے مجھے چھیڑا۔

”میں اسے خود روٹی پکا کر کھلا سکتی ہوں۔“ میں نے دولت پر اکرنا چھوڑ دیا۔ ہلال نے میری باتیں سن لی تھیں اور پھر جیسے اس نے آپ کی تلاش کو زندگی کا مقصد بنا لیا۔ وہ کہتا تھا۔ امام! میں تمہاری خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ میں روز آپ کی تصویر بناتی اور بھی نہ ٹھکتی۔ ہلال آپ کی صورت اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ اور چھ سال بعد وہ ہلال کو ملا تو ہماری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔

”امام! میں اسے پرکھنا چاہتا ہوں۔“

”ہلال! وہ برا نہیں ہو سکتا۔ میں نے اسے اپنے رب سے مانگا ہے اگر اس نے اسے مجھ سے ملایا ہے تو پھر میرے لیے برا ہو ہی نہیں سکتا۔“

”امام! مجھے تمہاری خوش قسمتی پر یقین ہے مگر ایک بے غرض دوست کا میرا بھی من کر رہا ہے۔“

ہلال نے بچوں کے سے لہجے میں کہا اور پھر ایک سال بعد اس نے کہا۔

”امام! میں اسے ہنزہ لارہا ہوں۔“ گویا آپ بے غرض دوستی کے امتحان میں پاس ہو گئے تھے وہ دن میرے زندگی کا سب سے حسین ترین دن تھا میڈیکل کی پڑھائی میں، میں نے اپنا نام بھی بھلا دیا تھا پھر اپنی ذات کی تو بات ہی کہاں پر اس روز میں دلہن بن

کر بیٹھ گئی تھی اس کی راہ میں پھول بچھاتے ہوئے میراجی چاہ رہا تھا۔ آسمان کے تارے بچھا دوں۔ مگر اس خوب صورت دن کے اختتام پر میری زندگی یوں پر باد ہوگئی۔ مجھے علم تک نہ تھا۔ ”وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی۔“

”تمہارے تصور سے بھی کسی کو کتنی خوشی ملتی ہے تمہیں نہیں پتا۔“ وہ ہلال کا اسے دیکھنا۔

”تمہیں وہاں لے جانے کے لیے ہی تو یہاں آیا ہوں۔“ اس کی بڑبڑاہٹ۔

”تم سے تو ابھی بہت کچھ مخفی ہے بار۔“ وہ اس کا مسکرانا۔ اذان کا دماغ یہ سب قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ بے دم قدموں سے بیڈ پر بیٹھتا ہی چلا گیا۔ اس کا سفید لٹھا سا چہرہ دیکھ کر امام کا دل ڈر گیا تھا۔ وہ اس کے قریب آ کر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

”اذان آئی ایم سوری۔ آپ کو برا لگا۔“ اذان نے خالی خالی نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا اس کے حسن کو کسی آرائش کی ضرورت نہ تھی اس کی بھیگی بھیگی آنکھیں تو اس کے خوب صورت چہرے پر مزید غضب ڈھا رہی تھیں۔

”برا تو لگے گا ہی۔“ اس نے کہا تو امام کا رنگ پھیکا سا پڑ گیا۔

”میرا تصور بھی جس کے لیے خوشی کا باعث رہا میں جانے انجانے اسے تکلیف دیتا رہا۔ برا تو لگے گا ہی یہ جان کر۔“ اس نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے پاس بٹھایا تھا، وہ چونک گئی۔

”اسی اعتماد کے ساتھ اگر پہلے یہ بات بتا دیتیں تو یقین کرو، یہ رمہ نامی کا نانا تمہیں بھی تکلیف نہیں دیتا۔“ اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا اور امام نے ایک پل اسے دیکھا بات سمجھ میں آنے پر دھیرے سے ہنس دی۔

”کوئی بات نہیں، جن سے محبت ہوتی ہے ناں ان کے کتوں سے بھی پیار ہو جاتا ہے۔“

”کیا؟ تم رمہ کو اس نظر سے دیکھتی تھیں میرے خدا۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر حیرت سے بولا

تو وہ بری طرح گڑبڑا گئی۔

”میں..... میں نے تو۔“

”ابھی تم نے ہی تو کہا کہ تمہیں اس سے جیسی نہیں ہوتی تھی۔“

”ہاں تو کیوں ہوتی میں ان سے جیلس، میرے لیے تو وہ آپ کی کزن ہیں، میں شکی بیوی ہرگز نہیں ہوں۔ مجھے اپنے شوہر پر اور اس کے پیار پر پورا یقین ہے۔“ اگلے پل وہ اپنے مخصوص اعتماد اور ہنرہ والے لب و لہجے میں بولی تھی تو اذان نے اسے دلچسپی سے دیکھا تھا یہ سب جان کر ایک بوجھ سا اس کے سینے سے اتر ا تھا۔

”ایسا کیا دیکھ رہے ہیں۔“

”سوچ رہا ہوں اس مہارانی کے لیے ایک جھولا لگوا لوں۔“

”اور اس جھولے کو آپ ہی جھلائیں گے کیونکہ کنیریں نہیں ہیں یہاں۔“ وہ مسکرائی۔

”بندہ تا عمر آپ کا غلام رہے گا۔“ اذان نے تابعداری دکھائی۔

”ہمیں قبول ہے۔“ امام کا انداز بے حد شاہانہ تھا اذان ہنس پڑا اور اس کے ساتھ امام کی ہنسی بھی شامل ہوگئی کہ جسے اس نے چاہا وہ اس کا حاصل ٹھہرا تھا۔

☆

اس خاتون کی کہانی ہے جس نے اپنے لیے عجب حیرت انگیز

بساطِ دل

افسان آفریدی

بسطِ دل

نئی جلد

قیمت 400 روپے

معاذ کاہن

کتبہ مران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار کراچی - فون نمبر: 32735021